جہادِ زندگی

مسلم عوام میں انقلابی حرکت کا آغاز 1949ء

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

جہادِ زندگی

مُسلم عوام میں انقلابی حرکت کا آغاز

سنہ ۱۹۴۹ء

(جمادی الاخریٰ ۱۳۶۸ ھ)

داعی الی الحق

اس کتاب کی ترتیب میں یہ کتابیں، جرائد اور تحریریں میرے سامنے ہیں

۱:۔ ڈان ۔ زمیندار ۔ احسان ۔ مغربی پاکستان ۔ انقلاب ۔ نوائے وقت
امروز ۔ پاکستان ٹائمز ۔ طلوعِ اسلام ۔ آفاق اور بعض دوسرے
جرائد کے مکمل فائل ۔

۲:۔ وہ تمام بیانات جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد قائدینِ ملتِ اسلامیہ
یا معاندینِ ملتِ اسلامیہ نے دیئے

۳:۔ اس مجموعہ اوراق کی ترتیب میں قریشی ۔ مودودی ۔ پرویز اور
دوسرے داعیانِ انقلاب کے خیالات کو اپنایا گیا ہے ۔ تاکہ
اُن کا تعمیری پروگرام عام ہوسکے ۔ اور ان کی دانستہ اور نادانستہ
تخریبی کارروائیوں سے پاکستان محفوظ رہے ۔

۴:۔ یہ آخری پروگرام نہیں بلکہ ملت کے لئے دعوتِ فکر ہے ۔ ہم
ہر مشورہ، اصلاح اور تجویز کو خوش آمدید کہتے ہیں ۔

فہرس

انتساب :-

مجاہدہ کے نام

اس مُجاہدہ کے نام جس نے (بحوالہ ڈان ۹ مارچ ۱۹۴۸ء)

فرزندانِ اسلام کو محاذِ کشمیر پر یوں رخصت کیا۔

تم جارہے ہو، لیکن جانے سے پہلے میری بات سُنتے جاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک پیغام لائی ہوں —— یہ پیغام ہر ماں، ہر بیوی، اور ہر بہن اور ہر بیٹی کی طرف سے ہے: ہونٹوں کی سُرخی اور رخساروں کا غازہ عورتوں کی زینت ہے۔ لیکن مردوں کے ہاتھ کی زینت دشمن کا رنگین لہو ہے۔ اگر تم فاتح ومنصور واپس آئے تو ہمارے دلوں پر حکومت کرو گے۔ اگر تم میدانِ جہاد میں شہید ہوئے تو ہم اپنے آنسوؤں سے تمہاری یاد منائیں گی۔

لیکن اگر تم دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے تو یاد رکھو۔ تم ہماری لاشوں کو روند کر ہی گھروں میں داخل ہو سکو گے۔

"اے موت کے پیامبرو!"

جاؤ اور جہاں جاؤ موت کا پیغام اپنے ساتھ لیتے جاؤ

موت کا پیغام اُن کے لئے جن کی ستم رانیوں نے بے گناہوں

کا خون بہایا ہے!

دخترانِ اسلام کی عصمت دری کی ہے۔

اللہ کی مساجد کی بے حرمتی کی ہے۔

کیا اب بھی تم دینِ خداوندی کی عزت بچانے کے لئے تلوار نہیں اٹھاؤ گے؟

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ تمہاری راہ ٹیپو کی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

کیا تم نے اپنی راہ پہلے ہی منتخب نہیں کر رکھی؟

تمہاری ماؤں نے تمہیں ایسے دن کے لئے جنا تھا؟

خدا کی قسم! جس خُدا نے تمہارے ساتھ اپنے وعدوں میں کبھی خیانت نہیں کی — اگر تم نے اس کے ساتھ خیانت کی تو تمہیں دنیا میں سر چھپانے کی کہیں جگہ نہ مل سکے گی۔

جاؤ — اور دیکھو کہ دشمن کی تعداد یا اس کی قوت تمہیں مرعوب نہ کر دے اس لئے کہ تمام قوتوں کی مالک صرف خدا کی ذات ہے۔

خدائے رحمان کی بشارت دینے والے فرشتے۔ تمہارے قلب و دماغ اور دست و بازوؤں کو صراطِ مستقیم پہ رکھیں

دیکھنا — عورتوں اور بچوں پر کبھی ہاتھ نہ اُٹھانا۔ اپاہجوں اور ہنتوں کو کبھی نہ چھیڑنا۔ لیکن کسی ڈوگرہ اور سکھ کو کبھی نہ چھوڑنا۔

اُن سے شمشیرِ آتش کی زبان میں گفتگو کرنا کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسری زبان سمجھ ہی نہیں سکتے۔

سُن لیا — اچھا خدا حافظ۔

جاؤ میرے بچو! اللہ کی نُصرت تمہارے ساتھ ہو۔

اللہُ اکبر!

پیش لفظ:۔

قائداعظمؒ:۔ خدائے قیوم جب کسی قوم پر مہربان ہوتا ہے اور اس کی قسمت بنانا چاہتا ہے۔ تو اس میں ایک پیدائشی قائد پیدا کرتا ہے جو قاسم فطرت سے قیادت کی وہبی قابلیت لے کر پیدا ہوتا ہے اپنے اوپر پورا یقین رکھتا ہے اپنے مقصد زندگی پر ایمان کامل رکھتا ہے۔

صاحب عزیمت ہوتا ہے اور اپنے جوش یقین اور قوت عمل سے مُردوں کو زندہ اور اجزائے پریشان کو متحد و منظم کر کے ایک طاقتور قوم بنا دیتا ہے پس پیدائشی قائد کی نعمت عظمیٰ ایک جماعت پر اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

حکیم الاسلام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی نشاۃ الجدیدہ کے کچھ پہلے فرمایا تھا کہ مسلمانانِ ہند کا مرض "فقدانِ قیادت" ہے۔ اللہ نے اپنا فضل فرمایا۔ یہ مرض دُور کیا۔ علامہ اقبالؒ کے فیض روحانی۔ تربیتِ فکری اور بصیرتِ محمدی نے محمد علی جناح کی بے منزل سیاست کو۔ ایک ایمان، ایک نصب العین اور ایک نظر عطا فرمائی۔ جن کی ترکیب سے۔ "قائداعظم" کا نیا پیکر تیار ہوا۔ اور اس قیادت عظمیٰ نے چند سالوں میں دیکھتے دیکھتے دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے اجزائے منتشر کو متحد و منظم کر کے درجہ اقلیت سے اٹھا کر "مستقل ملت" کے مرتبہ تک اور مستقل ملت سے مستقل سلطنت کے مقام تک پہنچا دیا۔ اور اگر خدائے حکیم نے سازگار حالات اور رجالِ فکر و عمل کو پیدا کیا تو انشاء اللہ العزیز یہ مستقل سلطنت اسلام کی

"امامت ارضی" اور سلطنت عالمی (NEW WORLD ORDER) کی بنیاد بن جائے گی۔ ایسے ہی قائدینِ فکر و عمل کے لئے ترجمانِ حقیقت نے فرمایا ہے۔

فرد ی می خیزد از مستِ گلے

قوم زائد از دلِ صاحب دلے

---

(۲)

قائدِ ملت رح :-

قائدِ اعظم رح کے ساتھ "قائدِ ملت" بہادر یار جنگ کو "اجلاس کراچی" میں دیکھ کر میں نے دل سے کہا کہ پاکستان ضرور بنے گا اور قائدِ اعظم رح اپنے مشن کی تکمیل کے لئے پاکستان آجائیں گے تو ہندوستان کے چار کروڑ مسلمان "بہادر خاں" کی ذات میں دوسرا "قائدِ اعظم" موجود پائیں گے جو نشاۃ الجدیدہ کا علمبردار بن کر کسی مرحلہ پر "راوی" کو گنگا سے ملائے گا۔ اور ہم علامہ اقبال رح کے پیغام کو دہرا سکیں گے۔

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو الخ

میں "بہادر خاں" کو تعمیرِ نو اور احیائے اسلام کے سلسلہ میں قائدِ اعظم رح کا لازمی جزو سمجھتا تھا۔ اسی احساس نے ہم دونوں کو خاکسار تحریک میں ایک دوسرے کے قریب کیا تو بہت جلد ہم خاکسار بھائی" سے آگے بڑھ کر یک جان و دو قالب ہو گئے اگر "دوست" کی یاد "لفظوں" سے تازہ ہو سکتی ہے تو میں اس کتاب میں "پیارے بہادر" کا آخری خط بجنسہٖ شائع کرتا ہوں۔ یہ میرے عزیز کی آخری نشانی ہے۔

محمد بہادر خان

۱- جولائی - سنہ ۱۹۴۳ء

مکرمی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ - محبت نامہ مورخہ

۲۰- جون پہونچا- دلی شکریہ قبول فرمائیے- خدا اپکے نیک مقاصد

مین کامیابی دے اور اپکی بہت سی مثالین ہم مین پیدا کرے- مجھے

انتہائی مسرت ہوگی اگر اپ میرے قریب رہین اور مجھسے سیاسی تدریس

کا سلسلہ قائم کرین مگر بد قسمتی سے گردش ہر کا رمیرے پاؤن مین ہے اور

ایک صحرانورد کے پیچھے اپ کہان کہان دوڑے پھرینگے-

کشمیر جانے کا قصد ہے- اگر اسطرف ایا تو لاہور کو

قطعا فراموش نہین کرسکتا- کارکنان مسلم لیگ اور مسلم اسٹوڈنٹز

فیڈریشن سے ملکر میرا پروگرام مرتب فرمائیے- وہین اپکے میرے ساتھہ

رہنے کا پروگرام بھی بنجائیگا-

اپکا مخلص

محمد بہادر

جناب عبدالحمید صاحب مرزا ایم-اے

"بہادر خاں" کو بزدل نظام بد انجام اپنے غدارانہ عزائم اور افیونی فطرتِ جمود کے لئے ایک "چنگاری" سمجھتا تھا۔ کشمیر سے واپسی پر میں نے اُن کے ساتھ ایک قطعی پروگرام تیار کر لیا تھا ——— وہ میرے پاس دو دن ٹھہرے۔ آسٹریلین مسجد میں پبلک کو فصیح خطاب دیا۔ تو آسٹریلین دواخانہ کی کنج عزلت میں ہم دونوں نے ملت کی حالت زار پر خاموش "آنسو اس طرح بہائے کہ دونوں کی گگھی بندھ گئی ——— وہ "رونا" جس میں تبادلہ خیالات "دلیل" کی بجائے وحدت قلبی کی جلوہ طرازی میں صرفِ محویت اور ایک دوسرے کو ٹپ ٹپ آنسوؤں کے ساتھ دیکھنے تک محدود ہو جائے۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ———
اس کا نظارہ" میں نہ بھول سکا ہوں اور نہ بھول سکتا ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور زبانِ حال سے کہہ رہے تھے۔ ؎

از نگہ چشم تہی گشت و تماشا ماندہ است
در زبان حرف نہ ماندہ است و سخنہا ماندہ است

علامہ مشرقی اور خاکسار تحریک کے سلسلہ میں "بہادر خان" خاموش رہنا چاہتے تھے۔ میرا اصرار تھا۔ کہ اس گو مگو" میں ہم اپنے فرض میں کوتاہی کر رہے ہیں وہ اپنی رائے پر قائم رہے تو میں نے ان کی مرضی کے خلاف پبلک جلسہ میں اُن کو مجبور کر دیا۔ کہ وہ پبلک طور پر پاکستان کا پروگرام پیش کرتے ہوئے خاکسار تحریک" کے سلسلہ میں اپنی پوزیشن واضح کر دیں۔ تاکہ ہزاروں مخلص روحیں جو اطاعت امیر" کے اصول پر علامہ صاحب سے جکڑے ہوئے ہیں اس قید سے آزاد ہو سکیں۔
میں نے اپنی کتاب "ختم زندگی" کو بھی اس سلسلہ میں شائع کر دیا اور اُن کے

ساتھ یہ طے ہوا کہ میں لاہور کو اور وہ حیدرآباد کو کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دیں اور پورے ملک کا دورہ کر کے ان انقلابی مجاہدوں کی تنظیم کریں۔ جو اسلامی سلطنت کی تخلیق کا فرض ادا کریں۔ (یہ "راز" میں پہلی مرتبہ آج ظاہر کر رہا ہوں اس لئے کہ قیام پاکستان اور قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد اب یہ راز "راز" نہیں رہنا چاہئے) میں اپنے حالات کو درست کرنے کی فکر میں لگ گیا جس میں کئی معرکوں نے جنم لیا (جو میری کتاب رمِ زندگی کا موضوع ہے) اور وہ حیدرآباد میں فراغت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اسی دوران میں ایک "صبح" میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ جب ریڈیو پر یہ سنا کہ میرا "پیارا بہادر" ملت کا قائد اور میرے انقلابی عزائم کا "رازدار" کسی لعین "جعفرِ دکن" کی سازش کا شکار ہو گیا۔ وہ شہیدِ ملت خدا کا پیارا ہوا۔ تو قاسم رضوی کو یہ جگہ ملی۔

"قاسم" کو میں قائدِ ملت کے ساتھ ایک رضاکار کی حیثیت میں دیکھ چکا تھا۔ یہ "رفاقت" بھی ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔

قائدِ ملت اسلامیہ "بہادر خاں" کی اچانک وفات کے بعد مسلمانانِ حیدرآباد دکن کی زندگی میں ایک خطرناک خلا پیدا ہو گیا۔ دکن کی وہ ملی تنظیم (اتحاد المسلمین) جو بہادر خاں کے عزائم کا محور تھی یتیم ہو گئی۔ کئی لیڈروں کا تجربہ کیا گیا۔ لیکن وقت کی کسوٹی پر کوئی بھی پورا نہ اترا۔ حیدرآباد کے یہ سب بناوٹی لیڈر یکے بعد دیگرے بنتے اور بگڑتے۔ اٹھتے اور گرتے۔ ابھرتے اور ڈوبتے گئے۔ تا آنکہ یہ کام "لاتور" کے ایک اوسط درجہ کے نوجوان کے سپرد ہوا۔ یہ "قائدِ ملت" کا مخلص سپاہی

اور "لاتور" کی مجلس اتحاد المسلمین کی روح رواں تھا۔ قائد ملت نے اپنے بیت المال کے لئے لاتور کے ایک جلسہ میں قوم سے اعانت طلب کی۔ اپنی ساحرانہ تقریر میں غزوہ تبوک کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعِ اسلام کے لئے مسلمانوں سے جان و مال کی انتہائی قربانی طلب کی تاکہ رومی حملہ سے مدینہ کو بچایا جائے اور رومی حملہ سے بچنے کے لئے حملہ کی پیش بندی کے لئے خود شام تک بڑھ کر رومیوں پر حملہ کیا جائے تو فاروق اعظم رضہ کو خیال ہوا کہ حضرت ابوبکر رضہ برابر ہر عملی قربانی میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس دفعہ وہ ان سے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے۔ اور وہ مسابقت فی الانفاق فی سبیل اللہ میں حضرت صدیق رضہ سے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضہ اپنا نصف مال حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیق ایک کمبل پہن کر دربارِ رسولؐ میں حاضر ہوئے ہیں۔ اپنا سارا مال و متاع۔ سامان و اسباب اسلام کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں۔ ابوبکر رضہ! تم نے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا۔ صدیق اکبر رضہ جواب دیتے ہیں اللہ اور رسولؐ کو چھوڑا ——— یہ جواب سُن کر حضرت عمر رضہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا کی قسم میں کبھی ابوبکر رضہ سے ایثار و قربانی اور کسی عمل میں بڑھ نہیں سکتا"۔

"بہادر خان" کی اس تقریر پر بہت اچھا چندہ جمع ہوا۔ جلسہ کے آخر میں ان کو رقعہ ملا جس میں کاتب نے لکھا تھا کہ میں نے سنت صدیق اکبر رضہ پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں اپنی اور اپنے بچوں کی تمام زمین و جائداد، مال و منال، نقد و زیورات

سامان و اسباب اسلام کے لئے حاضر کرتا ہوں اور صرف اس کی اجازت چاہتا ہوں
کہ ایک دن کی مہلت مجھ کو دی جائے۔ تاکہ میں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے جسم کے
کپڑوں کو بھی کل حاضر کر دوں ـــــ

یہ کاتب رقعہ سید قاسم رضوی بی اے ایل ایل بی (علیگ)، وکیل لاتور تھے
بہادر خان نے نوجوان وکیل کو بہت کچھ سمجھایا۔ کہ وہ اس کلی قربانی کے
ارادہ سے باز آئیں۔ لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اللہ کی راہ
میں مجلس اتحاد المسلمین کے بیت المال کو اپنا سب کچھ ہبہ کر چکے اب وہ اپنے
ارادہ سے باز نہیں آ سکتے۔ سید قاسم دوسرے دن حسب معمول کچہری گئے۔ وکالت
کا کام کیا۔ روپے کمائے۔ نئے جوڑے کپڑوں کے اپنے لئے اور بیوی بچوں کے لئے
مہیا کر لائے۔ اور تمام مال منقولہ و غیر منقولہ بیت المال ملی کے لئے نذر کر کے سنت
صدیقی کو زندہ کیا ـــــ" اور قوم نے انہیں "صدیق دکن" کا خطاب دیا ـــــ

۴

قاسم رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

قاسم رضوی کچھ بڑے مدبر اور سیاست کار ہونے کے دعویدار نہیں۔ وہ
ایک مرد مومن اور مرد مجاہد ہیں وہ صاحب کردار اور صاحب عزیمت ہیں وہ مومنانہ
بصیرت اور مجاہدانہ روشن ضمیری رکھتے ہیں وہ اپنا سارا مال و متاع ملت کی
نذر کر چکنے کے بعد اپنا سر بھی ہتھیلی پہ رکھ کر ملت کی جد و جہد میں شامل ہوئے

وہ اسلام کے سپاہی تھے۔ جسور و غیور۔ بہادر و شجاع۔ غیر اللہ کے خوف باطل سے پاک جاہ و طلبی اور خود پرستی سے سخت بیزار۔ عشق ملّت اور جوشِ جہاد کے سرمایۂ سرمدی سے مالا مال۔ فرزانے نہیں دیوانے تھے۔ اسلام کے وہ دیوانے جن پر ہزار فرزانے اور سیاستدان قربان ہوں۔ اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ دکن کے شہید اعظم سلطان ٹیپو کی اس وصیت کے مصداق تھے۔

؎ صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دُوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں نمرودِ ہند پٹیل نے حکومتِ ہند کی قہرمانی فوجی طاقتوں سے انہیں مرعوب کرنا چاہا اور زور دیا کہ حیدرآباد ایک ہندی ریاست ہے اس لئے لازم ہے کہ اُسے انڈین یونین میں شامل کیا جائے۔

اللہ کے شیر نے گرج کر کہا —— میں مسلمان ہوں اللہ سے ڈرتا ہوں غیر اللہ سے نہیں ڈرتا۔ موت سے نہیں ڈرتا۔ ہر دم اللہ کی راہ میں مرنے کو تیار ہوں۔ موت کو زندگی اور غلامی کی زندگی کو موت جانتا ہوں۔

—— حیدرآباد دکن ہندی نہیں۔ دکنی ریاست ہے۔ ہمیشہ سے ریاست حیدرآباد مسلمانی سلطنت رہی ہے۔ مسلمان سلطنت ہے اور مسلمان سلطنت رہے گی۔ حیدرآباد ہرگز ہرگز انڈین یونین میں شامل نہیں ہوگا۔ البتہ

ہندوستان کا دوست اور حلیف رہے گا۔ حیدرآباد مسلمان تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے اور دکن ڈیڑھ کروڑ مسلمان آبادی کا (جو وندھیا کے نیچے دکن میں آباد ہے) واحد وطن اور ملجا و مامن ہے ان مسلمانوں پر زندگی اور عزت و آبادی کی تمام راہیں ہندوستان نے بالکل بند کر دی ہیں۔ حیدرآباد دکن، جغرافیہ، نسل، تاریخ و تہذیب کے لحاظ سے ڈراویڈی دکن سے قریب اور آریائی شمالی ہند سے بعید ہے

حیدرآباد اس لئے آزاد رہے گا کہ وہ برابر شمالی ہند کی سیاسی بالادستی سے آزاد رہا ہے اور دکن کی آزادی کا زمانہ ہمیشہ اس کی آزادی کا زمانہ رہا ہے۔ اور اس کے تنزل کا زمانہ شمالی ہند کی غلامی کا زمانہ رہا ہے۔ حیدرآباد اس لئے بھی انڈیا میں شامل نہیں ہوگا کہ مسلمان جانتے ہیں کہ وہ انڈیا میں شامل ہو کر بھی بچ نہیں سکتے۔ حتیٰ کہ غلامی کی زندگی پر راضی ہونے کے باوجود بھی مسلمان زندہ باقی نہیں رکھے جائیں گے اور ہندوستان میں شامل ہونے کے ساتھ ان کا قتل عام شروع ہو جائے گا۔ حیدرآباد ہی وہ سلطنت ہے جس نے نہ صرف اپنے حدودِ سلطنت میں بالکل داخلی امن و امان قائم رکھا ہے۔ بلکہ پورے جنوبی ہند ڈراویڈستان کو شمالی ہند کے قتل عام اور فتنہ غارتگری سے مامون رکھا ہے اور جہاں سب قومیں آج بھی عزت، آزادی اور امن کی زندگی گذار رہے ہیں۔ حالانکہ انڈین یونین کا دارالسلطنت مغل عظمت کی یادگار، اصلاحی تہذیب کا مرکز "دہلی" مسلمانوں کی قتل گاہ بن چکا ہے۔ ہم حیدرآبادی مسلمان جنگ سے ڈرتے نہیں۔ ہم جنگ کو ناپسند کرتے ہیں لیکن جب ایمان و عزت اور امن و آزادی کی زندگی کی کوئی دوسری راہ باقی نہ رہ جائے تو ہم بے تنک جنگ کا خیر مقدم کریں گے۔ اگر ہندوستان نے

ہمیں اپنے ظلم و زیادتی سے مجبور کر دیا تو پھر ہم اللہ کی راہ میں جہاد کا اعلان کریں گے اور اللہ کا نام لے کر جم کر اور ڈٹ کر لڑیں گے۔ اپنی پیٹھ دیوار کی طرف کر کے لڑیں گے۔ سر سے کفن باندھ کر لڑیں گے۔ لڑنے کے سوا ہمارے سامنے آخر اور کون سی راہ باقی ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو ریاستیں بھی انڈین یونین میں شامل ہوئی ہیں یا شامل کر لی گئی ہیں اُن میں مسلمانوں کے قتل عام (GENOCIDE) کی تحریک فوراً جاری کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ جوناگڑھ، میسور، مانگرول، مناودر، الور، بھرت پور، پٹیالہ، فرید کوٹ، کپورتھلہ، شملہ ہل سٹیٹس، جموں و کاشمیر، اندور۔ گو ایسے واقعات سے ثابت ہے تو پھر ایسی حالت میں مسلمانانِ دکن کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ لڑ کر فناہ ہو جائیں گے۔ لیکن ہندوستان کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ جب مسلمانوں کو مرنا ہی ہے تو وہ محکوم و غلام ہو کر کتے بلی کی موت کیوں مریں۔ ہم مسلمان ہیں، مسلمانوں کی طرح لڑ کر مریں گے۔ اگر ہم مجبور کر دیئے گئے تو بے تنگ ہم لڑیں گے۔ پھر یا غازی ہوں گے یا شہید۔ کیوں کہ ... ہمارے لئے عزت اور ایمان بچانے کی دوسری کوئی راہ نہیں ہے۔

نمرودِ ہند نے حیدرآباد پر حملہ کر کے اس کو ختم کر دیا ——— نظام بدانجام آج کتوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ قاسم رضوی نے اپنا فرض ادا کیا اور غدارانِ ملت نے اس کی کشتیٔ تمنا کو ڈبو دیا۔

پاکستان کے بعض باشندے آج قاسم کو جلد باز یا سیاست نہ سمجھنے والا کہہ رہے ہیں۔ لیکن آنے والا مؤرخ فیصلہ کرے گا کہ اس "المیہ" کے اصل اسباب

کیا تھے۔

اپنے عزاروں اور دوستوں کی کم کوشیاں آج نظر سے اس لئے اوجھل ہیں کہ ہم اس بلند مقام نظر پر نہیں ہے جو محاسبہ نفس" کے بعد ادائے مرحق میں بے خطر آتش عشق میں کودنے کا محرک ہو سکتا ہے بلکہ اس عقل" کے پجاری ہیں جو آتش نمرود میں ہمیشہ محو تماشائے لب بام رہتا ہے۔

جو کچھ ہوا ہوا۔ تاریخ نے وہ ورق الٹ دیا ہے اور اب" حیدرآباد" ہمارے لئے ماضی کی داستانِ عبرت سے زیادہ کچھ نہیں!

آزاد پاکستان میں تاریخ کا نیا باب لکھا جا رہا ہے۔ جہاد زندگی میرے عزائم کا آئینہ اور ملت اسلامیہ کی حیات تازہ کے لئے پیام فتح باب ہے ملت کے غیور فرزندوں سے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے تجربات اور مشوروں کو میرے لئے سرمۂ دیدہ بینا بنائیں۔ مجھے جان۔ اخلاق۔ مال اور ہر اس چیز سے مدد دیں جو ان کے پاس ہے۔

میں نے ادائے فرض" کا ارادہ کر لیا ہے اور آرزو یہ ہے کہ کسی نئے" المیہ" کی بجائے یہ عمل ملت اسلامیہ" کے لئے روشنی کا مینار بن سکے!

میں علامہ اقبال کے اس پیام امید سے آغاز کار کا علم بلند کرتا ہوں:۔

سرشکِ چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا	خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے	یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر بار و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے	کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے	کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

دیباچہ

رمز ہیں محبت کی گستاخی و بے باکی
ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بے باک

اقبال رح

(۱)

میں ملکی تبدیلیوں اور انقلابی راہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ آج سماج کے نکمے اور خود غرض لوگوں کے اِدعا و نمائش کے تمام نقاب اُلٹ دئے گئے ہیں مخلص کارکن بھی سخت آزمائش میں ڈال دئے گئے ہیں۔ جبر و تشدد میں ظلم بے حجاب اور بے لگام ہے تو "خلوص" بھی صبر و برداشت کی طاقت میں روز افزوں نشو و نما پا رہا ہے۔

آج دنیا اس کا انکار کر دے گی جیسا کہ "ہمیشہ کٹھن" و قتلوں پر انکار کیا گیا لیکن کل تاریخ کے لئے یہ ایک نہایت ہی عبرت انگیز داستان ہو گی اور آنے والی نسلیں اس کو معاف نہیں کریں گی کہ ہم نے حالات کے دباؤ یا ذاتی فائدوں کی وجہ سے اپنا فرض ادا نہ کیا ——

نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہمیشہ زوال پذیر طاقتوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ہر خادمِ ملت کو آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش نظر ڈالنی چاہیئے۔ جابر طاقت شکست کھا جائے تو اُسے غصہ آتا ہے اور طاقتوں کی شکست کا غصہ اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لئے بڑا تند ہوتا ہے۔ اب اس تندی کا نظارہ کیجئے لیکن یاد رکھئے کہ

شکست اس لئے فتح نہیں بن سکتی کہ اس میں بہت زیادہ جھنجھلاہٹ ہے یا اُس نے "خلوص" کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال کر ڈھٹائی اور بے شرمی سے انصاف کا خون کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ "ظلم" دعدوان کے سرغنوں کا اگر یہ خیال ہے کہ جب شرم و حیا کے تمام کپڑے اُتر گئے تو شریف آدمی آنکھیں بند کر لیں گے۔ شریف آدمی سچ مچ آنکھیں بند کر لیں گے لیکن دُنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔

خدامِ ملت کے سامنے ادائے فرض کے صرف دو راستے ہیں —— ظالم قوتیں جو گورنمنٹ کے اندر ہیں یا قومی اداروں پر چھائی ہوئی ہیں، ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائیں —— اگر باز نہ آئیں تو مٹا دی جائیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

یہ انسانی عقائد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عمر کہے جا سکتے ہیں۔ جو چیز بُری ہے اُسے یا تو درست ہو جانا چاہیئے یا مٹ جانا چاہیئے تیسری بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

اِسلام کسی ایسے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا جو جابرانہ ہو۔ جس میں انسانیت کی توہین ہو جس میں عدل و انصاف سے بے رُخی ہو۔

اِسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو نوعِ انسانی کو چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی جابر بادشاہوں، سرمایہ داروں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور قبضہ ہے۔ اِسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے بلکہ خود حق ہے۔ اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ وہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم

اور غلام بنائے۔ اُس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دئیے۔ اور دنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجہ میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل۔ قومیت۔ رنگ معیارِ فضیلت نہیں بلکہ صرف عمل ہے اور وہی سب سے بڑا ہے۔ ——— جس کے کام سب سے اچھے ہوں وہی سب سے اچھا ہے ——— یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (حجرات)

(۲)

میرے لئے "محبت" اور علائق کے کئی رشتے ہیں جو دامن تھام کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میرے بیوی بچے ہیں۔ میرے بوڑھے والد ہیں۔ میرے غریب اور سسکتے ہوئے مہاجر رشتے دار ہیں۔ میری قوم کے ہزاروں بے گھر اور بے در افراد میری رُوح اور میری جان ہیں۔ ان سب کی محبت بلکہ ذاتی فرض "انقلابی راستوں" میں دامن تھام کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو میں یہ کہہ کر دامن چھڑا لیتا ہوں کہ یہ محبتیں اور فرائض ہی وہ کچھ نہیں جس کے لئے میں وقف ہو جاؤں بلکہ اس سے زیادہ اہم کچھ اور ذمہ داریاں بھی ہیں۔ جو میرے لئے سراپا دعوت ہیں۔ "دنیا کی عام سہانی فضا میں انقلابی دہشت نوردیوں کا تصور مجھے نڈھال بھی کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی شدتِ کرب میں آہ بھی نکل جاتی ہے۔ لیکن آہوں کو سینے میں دبا لینے اور آنسوؤں کو جذب کر لینے کی کافی مشق ہو چکی ہے۔ میری محبتیں اور میرے فرائض میرے اپنے ہیں۔ اس لئے ان کا غم بھی "میرا" ہے۔ میں اس غم کو دنیا کا غم کیوں بننے دوں۔ وہ اندر ہی اندر "انگارہ" بن کر سلگتا رہیگا اور دنیا والوں کو کبھی پتہ نہ چلے گا کہ اس آگ کے شعلے کہاں ہیں۔ دھواں کہاں ہے

اور راکھ کہاں !

میرے یہ "جذبات" اگر قربان ہو جائیں تو وہ "غم" کی لازوال دولت بن جائینگے اور اس قیمتی سرمایہ کو میں "سینہ" میں چھپا لوں گا اپنی ملت کی آن قائم رکھنے کے لیئے میں نے اس غم کو چپ چاپ اپنا لینے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے - اور مجھے آتشیں طوفان کو سینے میں چھپا لینا آتا ہے - جب طوفان خیز یاں موسمی چڑھاؤ کا شکار ہو کر بند توڑ دیتی ہیں تو میری آنکھیں مجھے سہارا دیتی ہیں اور یہ آتشیں لاوا آنسو بن کر بہ جاتا ہے ——— میں اب "محبت" کو مخفی بنا دیتا ہوں اور میرے نزدیک محبت کی یہی قربانی اس کو بلند سے بلند تر مراتب بخشتی ہے - وقت کی مرہم کا پھایہ تسکین ضرور دیتا ہے لیکن زندگی تو ہمیشہ جلنے اور مدام رسنے والے زخم کی رہین منت ہے - ٥

یک ناوک کاری ز کمانِ تو نخوردم
ہر زخم تو محتاج بہ زخمِ دگرم کرد

(۳)

قرآن عزیز نے اسلامی زندگی کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی ان کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے -

۱ ایمان - ۲ عمل صالح - ۳ تواصیہ حق اور ۴ تواصیہ صبر

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ———

انسانی زندگی کی بالکل بحث ہے - اگر ایمان و عمل صالح کے بعد ہم حق اور صبر

کے تواصیہ سے باز آجائیں۔

تواصیہ حق کے معانی یہ ہیں کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کی جائے۔ تواصیہ صبر کے معانی یہ ہیں کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور رکاوٹوں کو جھیل لینے کی وصیت کی جائے۔

چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مصیبتیں پیش آئیں۔ اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی تاکہ مصیبتیں اور رکاوٹیں جھیل لینے کے لئے ہر حق گو تیار ہو جائے۔

اسلام کی بنیاد توحید ہے اور شرک سب سے بڑا ظلم اور گناہ ہے۔ توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک مان کر سب سے بے نیاز ہونے کا اعلان کیا جائے۔ توحید ہم کو سکھاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزا وار صرف خدا ہی کی عظمت و جبروت ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیئے۔ اسلام تمام تر بے خوفی اور قربانی کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن جا بجا کہتا ہے — مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ ہر حال میں سچی بات کہے۔

(قائد بخش للہ)

سرور کائنات ؐ نے سب سے بہتر موت اس آدمی کی موت کو قرار دیا ہے جو "ظلم" کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے۔ (ابوداؤد)

حضورؐ جب کسی آدمی سے اسلام کا عہد و اقرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا۔ میں ہمیشہ "حق" کا اعلان کروں گا۔ خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں۔

(بخاری و مسلم)

قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام حق ہے اور حق کے معنی ہیں جم جانا اور ثابت قدم ہو جانا ـــــــ بدی کا نام باطل ہے جس کے معنی ہی مٹ جانے کے ہیں۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا ـــــــ (باطل تو صرف اس لئے ہے کہ وہ مٹ جائے)

میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ قرآن کی صداقت پر "کل" زمین و آسمان گواہ ہوں گے ـــــــ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کا عنقریب فیصلہ ہو گا۔ انصاف، باقی رہے گا، "ناانصافی" مٹ جائے گی۔

بادلوں کو دیکھ کر بارش کا انتظار ہوتا ہے ـــــــ موسم نے تبدیلی کی تمام نشانیاں قبول کر لی ہیں۔ افسوس ان آنکھوں پر جو نشانیوں سے انکار کر رہی ہیں۔

میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو میرا دل شرمندگی کے غم سے پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ کہ میرے بھائیوں میں ایسے بھی ہیں جو غلامانہ زندگی کے تمام رذائل قبول کر چکے ہیں۔ ـــــــ اسلامی زندگی کے تمام خصائص کھو چکے ہیں اور اب اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے علانیہ ظلم کی پرستش کر رہے ہیں۔ دینداری کے اخلاص کی جگہ "ریاکاری" اور "نمائش" اُن کا سرمایہ پیشوائی ہے ـــــــ وہ میری باتوں کو سمجھنے سے عاری ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ فطرت کے ہر نظم کو دیکھنے کے لئے ہمیں ایک۔ ایسا مقامِ نظر پیدا کرنا پڑتا ہے جو خود اس سے بلند تر جگہ پر واقع ہو۔ یہ "بزدل" نہ اپنی "اخلاقی اور سماجی گندگی" سے نکلتے ہیں، نہ نگاہ بلند ہوتی ہے اور نہ حقیقت بے نقاب نظر آتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ عقلی نظر و تخلیل کی نقش آ جوئیں

کے سوا اُن کے حصہ میں کچھ نہیں آتا۔ اور قلم اس لئے عاجز ہے کہ یہ حقیقت "ایسی آگ ہے جو دیکھی نہیں جاسکتی البتہ اس کی گرمی سے ہاتھ تاپ لئے جا سکتے ہیں۔

میں اس منزل پر یہی کہہ سکتا ہوں۔ —————

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر "الفاظ" میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

(۴)

اسلام کی کتاب شریعت (القرآن) میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کی زمین میں شاہد ہیں یعنی سچائی کی گواہی دینے والے۔ بحیثیت مسلم یہ اُن کا انفرادی اور قومی فرض ہے۔ یہی اُن کی ملی خصلت (NATIONAL CHARACTER) ہے جو اُن کو تمام اُمتوں میں ممتاز کرتی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

شاہد کے معنی کیا ہیں؟ شہادت کس چیز کی ہے اور یہ کونسی شہادت ہے۔ جس کے کتمان" پر بڑی بڑی قوموں کو ہلاک کیا گیا اور لوگوں کو خدا کی پھٹکار کا سزاوار تبلایا گیا۔

قرآن اس کا صاف اعلان کرتا ہے کہ یہ شہادت اس کے بغیر کچھ نہیں کہ مسلمان حق کے اعلان میں کسی سے نہ ڈرے اور دُنیا کا کوئی لالچ اس پر غالب آئے اور نہ کوئی خوف۔

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ایسی بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دستبردار ہو جائے۔

اگر تم کسی آدمی سے اِس مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ "ظلم" کو "ظلم" نہ کہے۔ کیوں کہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ ——————

اعلائے کلمۃ الحق کا مقام مسلمان کی زندگی میں بالکل ایسا ہے جیسے انسانی زندگی میں جسم کے لئے حرارتِ غریزی —— حرارت پر زندگی کا قیام ہے اور اسلامی ملت کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت پر گواہ (شاہد) ہو۔ ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے۔ ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جس "سچائی" کا اُسے علم و یقین دیا گیا ہے ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے۔ اور "ادائے فرض" کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے۔ علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جور کا دَور دَورہ ہو جائے اور جبر و تشدد کے ذریعہ اعلانِ حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چُپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے اور دو جمع دو کو چار اس لئے نہ کہا جائے کہ ایسا کرنے سے تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہو گا تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے گی اور حق کے اُبھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے گی۔

قانونِ حق نہ تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے اور نہ اس لئے بدل سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گذرنی ہے۔ وہ تو حقیقت ہے اور اس وقت بھی حقیقت ہے۔ جب اس کے اعلان سے ہمیں پھولوں کی سیج ملے۔ اور اس وقت بھی حقیقت ہے جب اس کے اظہار سے جسم کو آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے۔ صرف

اس لئے کہ ہمیں زندان میں ڈال دیا جائے گا۔ دوست ناراض ہوں گے۔ اپنے پرائے ہو جائیں گے۔ دشمن کی قہر آلود نگاہیں گھوریں گی۔ ہم دُنیا میں معتوب ہوں گے۔ یہ باتیں آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا کر سکتیں۔ حق اپنی جگہ حق ہے اور رہے گا۔ حضورؐ کا ایک قول ہے: ــــــ "نیکی کا اعلان کرو۔ بُرائی کو روکو" ــــــ اگر نہ کرو گے تو ایسا ہو گا کہ نہایت بُرے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے اور خُدا کا عذاب تمہیں گھیرے گا۔ تُم دعائیں مانگو گے کہ یہ عالم ٹل جائیں مگر وہ قبول نہ ہوں گی ــــــ (طبرانی۔ ترمذی عن حذیفہؓ و عمرؓ)

آج وقت آگیا ہے کہ پاکستان میں اس فرض کو ادا کیا جائے۔ اگر اکثریت بدعملوں کی ہے تو یہ فرض بھی کسی کو ادا کرنا چاہیئے اگر اللہ کی رحمت نے "ہم" کو ہی اس فرض پر مامور کیا ہے ــــــ

تو ہم اپنے فرض سے ہر گز مُنہ نہ موڑیں گے ۔ اس راہ میں قدم اُٹھ گیا ہے تو پھر قربانی اور جانبازی ہماری زندگی کا سہارا ہیں۔ استقامت کامیابی کی پہلی شرط ہے ــــــ اب نہ تو طمع ہمیں ہلائے اور نہ خوف ڈرائے ــــــ ہمیں سمندر کی طرح پُر جوش اور پہاڑ کی مضبوطی سے آگے بڑھنا ہے۔

تزول الجبال الراسیات وقلبہم ✦ علے العہد لا یلوی ولا فی فیر

استقامت ہی فتح و کامرانی کا سرچشمہ۔ ایمان کا خلاصہ اور خدا کی رحمت کا وسیلہ ہے۔ یہی مرکب باد پا ہے جس پر منزل حقیقی کے شاہسوار منزل بمنزل دواں دواں گوہر مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

ہم سمندر باش و ہم ماہی کہ در تعلیم عشق
روئے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است

مقدّمہ

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اُٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی
(اقبالؒ)

پہلی تاریخی آزمائش :-

مسلمان ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ اجتماعی رنگ میں ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ آٹھ سو سال تک اُن کی طاقت ترقی پذیر رہی۔ یہاں تک کہ ابراہیم لودھی کا زمانہ (۱۵۲۶ء) آگیا۔ اس زمانے کے با اقتدار ہندوؤں کو اس ملک میں پہلی مرتبہ یہ خیال پیدا ہُوا کہ مسلمانوں کی حکومت کو ہندوستان سے ختم کر دیا جائے اس تخیل کا علمبردار رانا سانگا تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے پنڈتوں۔ نہرو اور تارا سنگھ اکٹھے کئے اور طے پایا کہ افغانستان کے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی جائے۔ بابر کی تلوار سے لودھیوں کی گردن کٹوائی جائے۔ اور اس کے بعد بابر کو یہاں قدم جمانے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ مغلوں کے قدم جمانے سے پہلے ہی راجپوت فوجیں بابر پر حملہ کر کے مغلوں کو بھگا دیں اور یہاں ایک دفعہ پھر ہندو راج کی گدی

پچھاڑی جائے۔

اس سازش کو پوری طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ بابر کو ترغیب دی گئی۔ بابر سے امداد کا وعدہ کیا گیا۔ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی لودھی سلطنت ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد ——— بابر کے رفیق ابھی سنبھلے بھی نہ پائے تھے کہ راجپوتی سنگھٹن کا علمبردار رانا سانگا م ۱۰ راجاؤں اور دو لاکھ کے لشکرِ عظیم کے ساتھ بابر پر حملہ آور ہو گیا۔ اس وقت افواجِ مغلیہ کی تعداد صرف ۱۳ ہزار تھی۔ یہ وقت اسلام کے لئے بڑا نازک تھا۔

اسلام کی تمام بازی صرف ۱۳ ہزار آدمیوں کی فتح و شکست پر موقوف تھی۔

فتح پور سیکری یا کنواہہ کی جنگ ۱۵۲۷ء کے واقعات ہم سب کو معلوم ہیں۔ بابر نے شراب کے مٹکے توڑ دئے۔ جام اور صراحیاں پھوڑ ڈالیں۔ دست بستہ بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہو گیا۔ سجدے میں سر رکھ دیا۔ پھر اپنی تیرہ ہزار فوج کے سامنے آیا۔ جس پر اب اسلام کی پوری بازی منحصر ہو چکی تھی۔ بابر نے ایک درد بھری تقریر کی۔ رانا سانگا کی سازش کو منکشف کیا۔ جہاد کا اعلان کیا۔ جب فریقین میدانِ جنگ میں نکلے تو دونوں فوجوں پر ایک عجیب قسم کی مستی طاری تھی۔ راجپوت یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ تیرہ ہزار "۱۳۰۰۰" مسلمان ختم کر دئے گئے تو ہندوستان سے اسلام کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ پھر یہاں ہندو ہوں گے اور ہندو راج ہو گا ———

مسلمان مجاہد یہ سمجھتے تھے کہ آج اسلام کی تقدیر صرف ۱۳ ہزار غازیوں کی تلوار سے معلق ہے۔ اگر یہ تلوار ٹوٹ گئی تو پھر ہندوستان میں اسلام ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ جنگ کی ابتدا ہوئی تو اسلام کے ۱۳ ہزار زندۂ جاوید غازی حفاظتِ اسلام کی تلواریں

سونت کر راجپوتی طوفان کے اندر گھس گئے اور انہوں نے صبح سے عصر تک دو لاکھ فوج کے پرخچے اڑا دئیے۔ ماہ آسلام اپنی پہلی آزمائش میں صرف ۱۳ ہزار مجاہدین کی امداد سے خطرات کے تاریک ترین بادلوں سے نکل گیا اور مسلمانوں کا وجود ۲۰۰ سال کے لئے ہندوستان میں محفوظ ہو گیا۔

دوسری تاریخی آزمائش:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رانا سانگا کی شکست سے عالمگیرؒ کے زمانہ تک مسلمانوں کا وجود تلوار اور سازش کی دستبرد سے باہر رہا۔ عالمگیرؒ کے تدبر نے اکبر اور داراشکوہ کے بوئے ہوئے کانٹے ایک ایک کر کے چن لئے اور چمنستان توحید کو گلشن بے خار کا نمونہ بنا دیا۔ مگر عالمگیرؒ کی وفات تاریخ ہندوستان کے لئے بدقسمتی کا دیباچہ ثابت ہوئی اور عالمگیرؒ کے جانشینوں نے اختلال سلطنت کو اپنی منتہا پر پہنچا کر شاہی دربار کو ایک یتیم خانہ بنا دیا۔ اس پر ملک میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ سکھ پنجاب کا خون پینے لگے۔ مرہٹہ سوار ملک بھر میں پھرتے تھے اور چوتھ وصول کرتے تھے۔ دہلی ہر روز لوٹی جاتی تھی اور پورے ملک کے مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے۔ جب ان حملوں سے اسلامی جمعیت اور بھی زیادہ پراگندہ ہوتی نظر آئی تو سیواجی کا جانشین مرہٹوں کا پیشوا، بالاجی باجی راؤ ایک دفعہ پھر رانا سانگا کے تاریخی تجربہ کا اعادہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ رانا سانگا کے طوفان کو ظہیر الدین بابر کی تیغ آبدار نے آب آب کر دیا تھا۔ مگر اب بالاجی باجی راؤ کی روک تھام کے لئے پورے اسلامی ہندوستان میں ایک بھی ظہیر الدین بابر موجود نہیں تھا۔ مسلمانان ہندوستان کی اس بے بسی کو سب سے پہلے جس بزرگ نے صحیح طور پر سمجھا وہ شاہ ولی اللہ دہلوی تھے۔ آپ دس مغل بادشاہوں کے طلوع و غروب

دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ :-

(۱) مسلمان اپنے اندرونی انتشار کے باعث بالکل عاجز اور مجبور ہو چکے ہیں۔

(۲) مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم نے مسلمانوں کو ہراساں کر دیا ہے۔

(۳) چھوٹی چھوٹی مُسلمان ریاستیں مقابلۂ کفار سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں

(۴) مسلمانوں میں کوئی شخصیت نہیں جو قوائے اسلام کو جمع کر کے مقابلۂ کفار میں نکلے۔

(۵) کُفّار کے حملے روز بروز شدّت اختیار کر رہے ہیں۔

اِن حالات پر غور کرنے کے لئے آپ اعیانِ اسلام کو جمع فرمایا اور پوری تسلی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے حال اور مستقبل پر غور کیا گیا - آخری بات یہ طے پائی :-

"موجودہ حالات میں مُسلمان اپنی تنہا قوت سے کفّار کے مظالم سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے - اس واسطے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینی چاہئیے کہ وہ ہندوستان میں کلمۂ حق کی امداد کے لئے نکلے اور مسلمانوں کو نرغہ کفار سے بچائے ۔"

اس قرار داد کے مطابق احمد شاہ ابدالی کو مسلمانانِ ہندوستان کے حال زار کی اطلاع دی گئی - اس پیغامِ درد نے ابدالی کو تڑپا دیا - افغانستان کے طول و عرض میں کفار و ہنود کے خلاف اعلانِ جہاد کیا گیا اور ۱۷۶۱ئہ میں ستّر اسّی ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابدالی ہندوستان میں آپہنچا - یہاں پانی پت کے میدان میں متحدہ ہندوستان کی بے حساب فوجیں اور اَن گنت مرہٹہ سردار ابدالی کے منتظر تھے - اب ابدالی

کی تلوار بابر کی طرح اسلام کی محافظ تھی۔ اُس نے اپنے مختصر سے لشکر کے چار حصے کر دیے اور ان چاروں صفوں نے مرہٹہ لشکر کو درمیان رکھ کر حفاظت اسلام کی تلواروں کو حرکت دی۔ بے چین تلواریں آندھی کی طرح اٹھیں۔ بجلی کی طرح گریں اور پانی پت کے میدان میں جہاد و قتال کی قیامت برپا ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مرہٹہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ڈیڑھ لاکھ قتل ہوئے۔ فوج کا سپہ سالار شو راؤ بھاؤ مارا گیا۔ پیشوا نے جب اس شکست کا حال سُنا تو اس کے بھی پران نکل گئے اور اسلام اپنی اس دوسری آزمائش میں بھی کامیاب ثابت ہوا۔ اور مسلمانوں کا مجروح مستقبل دو سو سال کے لئے محفوظ ہو گیا

———(۲)———

سات سو سالہ حکومت :

کسی قوم کی زندگی کا انحصار صرف تلوار پر نہیں زندگی تو اس لغضب العین کی رہین منت ہے جو افرادِ قوم کو عشق و ایثار سے سرشار رکھ سکے۔ ہندوستان میں مسلمان سیاحوں اور حملہ آوروں کی آمد و رفت حضرت عثمان (۶۴۴-۶۵۶ء) بلکہ حضرت عمرؓ (۶۳۴-۶۴۴ء) کے عہد خلافت سے شروع ہو جاتی ہے اور خلیفہ ولید ابن عبد الملک (۷۰۵-۷۱۵ء) کے زمانۂ خلافت میں تو ہندوستان کا ایک بڑا حصّہ اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ مگر یہ سلسلۂ فتوحات اور اس کے اثرات کچھ زیادہ دیر تک نہ رہ سکے۔ بعد ازاں شمال مغرب کی طرف آنے والے مُسلم فاتحین نے ملک میں مستقل اثرات اور دیرپا نقوش چھوڑے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ معدودے چند کے سوا تمام حکمران اسلامی تعلیمات سے کچھ زیادہ شغف نہ رکھتے تھے

اور وہ عشق کی اس آگ سے محروم ہو چکے تھے جو قرنِ اوّل کے فدائیوں کی حرارتِ ملّی کی ضامن رہی۔

اوائل اسلام میں خلافتِ راشدہ کے بعد پہلا روشنی کا مینار حضرت عمر ابن عبدالعزیز (۶۱-۱۰۱ھ) ہیں۔ جن کی مساعی جمیلہ سے تجدید و احیائے ملّت کا تصوّر محکم و استوار ہو کر عہدِ نبوی کی یاد تازہ کر گیا —— اس کے بعد طبقۂ حکمران زیادہ تر عیاشیوں میں مبتلا رہا۔ لیکن ہر زمانہ اور ہر ملک میں ایسے مجاہد نظر آتے ہیں، جنہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہ کیا۔ ان مجاہدین حق نے بڑی جرأت و جسارت سے شہنشاہوں کے غیظ و غضب کا سامنا کیا۔ مگر اپنے فرض کی بجا آوری میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ نہ تو جابر بادشاہوں کا رعب و دبدبہ اور جبر و قہر انہیں حق کہنے سے روک سکا اور نہ عوام کی مزاحمت اور نفس پرست علماء کی مخالفت ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکی۔ وہ اپنی مقدس منزل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ شادکام مجاہدین کا یہ گروہ توحید کی راہ میں قید و بند کی مصائب اور رنج و محن کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا۔ ان مجاہدین ملّت میں امام ابو حنیفہ رح (۸۰-۱۵۰ھ) امام مالک رح (۹۵-۱۷۹ھ) امام احمد بن حنبل رح (۱۶۴-۲۴۱ھ) امام ابن تیمیہ حرانی رح (۶۶۲-۷۲۸ھ) شیخ احمد سرہندی رح (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) شاہ ولی اللہ رح (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) سیّد احمد بریلوی رح (۱۲۰۱-۱۲۴۶ھ) بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی مستقل حکومت تیرھویں صدی سے شروع ہوئی لیکن غلاموں، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں، لودھیوں، ترکوں اور آخر مغلوں نے مسلسل پانچ صدیوں تک "اسلامی رُوح" کو ایسا پامال کئے رکھا کہ وہ "جوہر قرآنی" سے محروم ہو گئے۔

علمائے حق نے اسلام کے حقیقی خد و خال قائم رکھنے کے لئے اپنا فرض ادا کیا۔
لیکن شرک و بدعت کے سیلاب نے "ملت اسلامیہ" کو من حیث الملت اسلام سے
دُور کر دیا۔ یہاں تک کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں شرک و بدعت کے بادلوں نے
"نیر اسلام" کو پوری طرح چھپا لیا تو حضرت شیخ سرہندیؒ نے اعلائے کلمۃ اللہ کا فرض
ادا کیا۔ وہ قید و بند کے مصائب سے دوچار ہوئے۔ لیکن جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد
میں ان کی مساعی جمیلہ نے رنگ دکھایا اور عالمگیرؒ کی زبردست شخصیت نے
اسلام کو پھر سنبھالا دیا۔

۱۷۰۷ء میں عالمگیرؒ اللہ کو پیارے ہوئے تو اُن کے جانشین فرزند نوحؑ کی مصداق
ثابت ہوئے۔ وہ سرداری کی صلاحیتوں سے مُبرّا اور نفسِ امارہ کے غلام تھے۔

وُہ نیک بادشاہ جو قرآن مجید لکھ لکھ کر اپنی قوت لاہوت حاصل کرتا رہا۔ اس کے
پوتے جہاندار شاہ نے تخت سلطنت پر متمکن ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی منظور نظر
طوائف کے بھائی کو دہلی کا کوتوال مقرر کر دیا ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

اسی پاکباز عالمگیرؒ کے پرپوتے نے "رنگیلا" بن کر تخت دہلی کو ۱۷۴۸ء تک ملوث کیا۔
اس کی شامتِ اعمال صُورت نادر میں ۱۷۳۹ء میں جلوہ گر ہوئی۔ دلّی کی گلیوں میں
انسانی خون کی نہریں بہتی دیکھی گئیں۔ مگر اُن کی آنکھ نہ کھلی۔ ادہر نادر شاہ نے
پیٹھ موڑی ادہر دوبارہ طبلے پر تھاپ پڑی اور چشم زدن میں محمد شاہ کی محفل راجہ اندر
کا اکھاڑہ بن گیا۔

مرکزی حکومت کی نالائقی کی وجہ سے اُمرا کاہل اور عمّال ظالم ہو گئے تو مخالفین

اور سرکشوں نے سر اٹھایا۔ راجپوت۔ مرہٹے۔ جاٹ اور سکھ چاروں قومیں باغی ہو گئیں۔ ایسے موقع پر صوبے دار کیوں فائدہ نہ اٹھاتے؟ دکن۔ گجرات۔ بنگال۔ ملتان۔ اودھ اور مالوہ خود مختار بن بیٹھے۔

پانی پت کی تیسری جنگ نے (جو ۱۷۶۱ء میں ہوئی) ہندوستان میں مرہٹہ حکومت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ لیکن مرکزی حکومت کا دیوالہ نکل گیا۔ جاٹ گردی نے رہی سہی آبرو کو خاک میں ملا دیا۔ اور سورج مل جاٹ نے دن دہاڑے آگرہ میں اندھیر مچا دیا۔

۱۷۵۷ء میں شاطرِ قدرت نے ایسا پانسہ پھینکا کہ فرنگی تاجروں کے پو بارے ہو گئے۔ میر جعفر کی "وطن دوستی" اور "نمک حلالی" کی بدولت جو لوگ آگ لینے آئے تھے ان کو "پیغمبری" مل گئی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد شہنشاہ ہند بھی دلی چھوڑ کر اُن کے سایۂ عاطفت میں رہنے کے لئے الہ آباد آگیا۔ مکان بغیر مکین کے رہ گیا۔ ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء کے درمیانی عرصہ میں مرزا نجف خاں کی وزارت عظمیٰ اس وسط صدی کے طوفانی بادلوں سے خوش بختی کا آفتاب نمودار ہوا۔ اور اس سے تخت مغلیہ پر شام کی زرد شعاعیں پڑنے لگیں۔

غلام قادر روہیلہ نے دیکھا کہ سب کچھ جا چکا ہے۔ صرف بادشاہ کی ظاہری آنکھیں موجود ہیں۔ اُن سے کام تو لیا نہیں جاتا کیوں ایک بے کار شے کو بادشاہ کے جسمِ نازک پر بار بنا رہنے دیا جائے۔ اس نے ان آنکھوں کو نکال پھینکا اور اس طرح یہ آفتاب روہیلہ کی کوندتی ہوئی بجلیوں کے پیچھے غروب ہو گیا۔ سندھیا کی طرف سے مدد آئی اور اُس نے دلی کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ اندھی سلطنت مغلیہ برسوں

سسکتی رہی۔

۱۷۹۹ء میں ایک "مردِ خود آگاہ" نے مادرِ وطن کے استخلاص کے لئے آخری کوشش کی لیکن کارکنانِ قضاء و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میر صادق نے جس کے نام... ہیں شاید میر جعفر کی روح داخل ہو گئی تھی۔ حق وفاداری ادا کر دیا۔ اور سرنگا پٹم پر انگریزی پرچم لہرانے لگا۔

علامہ اقبالؒ نے ان دو لعینوں کو یوں یاد کیا ہے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

جب مادرِ ہند کا یہ مایۂ ناز فرزند جو بقول اقبالؒ "مشرق اندر خواب داو بیدار بود" اپنا فرضِ منصبی ادا کر کے آغوشِ لحد میں سو گیا تو اسلامی سیاست پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔

وہ قوم جس نے ۸۰۰ سال کا عرصہ دولت و حشمت کے خمار میں گزار دیا ہو۔ اور

اِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا

(اگر تم اللہ کی راہ (تبلیغ و جہاد) میں نہ نکلے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری بجائے دوسری قوم لا کھڑی کرے گا۔ جس کا تم کچھ نہ بگاڑ سکو گے (القرآن)

اللہ کی وعید کی پوری مستوجب ہو چکی۔ اس کے سوا کہ عذابِ خداوندی کا شکار ہو۔ اور کوئی راہ قانونِ فطرت کے سامنے نہ تھی۔ اب انیسویں [۱۹] صدی اپنے ساتھ ملاءِ اعلیٰ سے مسلمانوں کے لئے غلامی کا پٹہ لکھوا لائی۔ یہ پٹہ تین سال کے غور و فکر کے بعد لارڈ لیک نے بڑے ادب کے ساتھ اندھے عالم شاہ کے زیب گلو کیا۔ "دنیا" نے اسے

پنشن کہا۔ لیکن حقیقت بین جان گئے کہ اب چراغ بجھ چکا ہے۔ بالآخر ۱۸۹۷ء میں تیمور کے اس آخری نام لیوا کو اپنے بزرگوں کے جرم کی پاداش میں رنگون بھیج دیا گیا اور لال قلعہ پر یونین جیک لہرانے لگا۔ اس وقت بلبلیں اور قمریاں یہ شعر پڑھتی سنی گئیں ؎

حیف وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا

یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک!

(۳)

نئے دور کا آغاز:۔

ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ اسلام کے بادشاہی دور کا خاتمہ ہے۔ اٹھارویں صدی میں اسلامی انقلاب کی چنگاریاں انتہائے عالم میں سُلگتی رہیں اور جہاں بھی اُن کو چمک کا موقعہ ملا۔ وہ اسلام کی سچائی کی دلیل بن کر جہانِ کون و مکان میں ثبتِ دوام کا زندہ نمونہ چھوڑ گئیں۔

ہندوستان میں ۱۸۳۱ - ۱۷۸۶ سید احمد بریلویؒ اور ۱۸۳۱ - ۱۷۷۹ شاہ اسمٰعیل ولی اللٰہی مشن کی تکمیل میں سربکف میدان میں نکلے تو نجد اور سوڈان میں شیخ عبدالوہاب ۱۷۸۷ کو اور شیخ محمد احمدؒ (م ۱۸۸۰) نے علمِ اسلام بلند کیا۔

ہندوستان میں زوالِ اسلام ایک دردناک سانحہ تھا۔ اُس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھولدیں۔ علمائے حق نے اپنے اپنے انداز میں سولی کے تختہ اور تلوار کی دھار پر بھی اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کیا۔

فرنگی نے اب فاتح قوم کی حیثیت میں وہ سب کچھ کیا جو لادین سیاست اور میکاولی فلسفہ حیات کے علمبرداروں کا خاصہ ہے۔ اس نے صرف ملک گیری پر قناعت

نہ کی بلکہ مفتوح ملک کی علمی اخلاقی اور مذہبی قدریں یکسر بدل دیں"۔ مسلمانوں" کو نیم فرنگی بنانے میں اس نے تمام حربے استعمال کئے جو علم اور قوت کے بل پر استعمال کئے جا سکتے تھے۔ مسلمانانِ ہند ڈیڑھ سو سال تک اپنی ملی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے جاں گسل جدوجہد میں سرگرمِ عمل رہے۔

ہمارے مقرروں نے تقریروں کے ذریعہ قوم کو بیدار و زندہ رکھا۔ صاحبانِ قلم تحریر و تصنیف میں مصروف رہے۔ سرسید نے اعتراف شکست کے بعد حاکم قوم کی طرف دستِ تعاون بڑھایا۔ اِن کی دردمند پکار نے "شاعری" کے لئے بھی ایک نیا میدانِ عمل پیدا کر دیا۔ حالی نے اس مصیبت عظمیٰ اور قوم کے زوال و انحطاط پر نالہ سرائی اور نوحہ خوانی شروع کی، مسدس حالی کا نام رہتی دُنیا تک مشہور رہے گا۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں اصلاحِ ملّت کے لئے اپنے ترکش نکالے اور متبسم لبوں سے دردِ دل کا علاج بتایا۔

ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کے پورا ہونے میں اگر دیر لگی تو اس کا سبب بیرونی اثرات تھے۔ "جوہر ذاتی" ملت سے کبھی ختم نہیں ہُوا۔ ہندوستان کے اس دور میں رُوحِ اسلام کے علمبردار شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ بن کر ظلمت غلامی میں نورانی مشعلیں روشن کیں اور سیاسی انقلابات میں مذہبی تعمیر کی بنیاد کو مستحکم کر کے ظلمت کدہ ہند کو تاریکی سے بچا لیا۔ قرآن عزیز کا سب سے پہلے فارسی زبان میں ترجمہ کر کے قرآن فہمی کے لئے راہ کھول دی۔ اُن کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے اس "راہ" پر چل کر ملت کی نشاۃ ثانیہ کا سامان بہم پہنچایا۔

حرکت مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے۔ سیمابیت ان کے ہیولے میں شریک غالب کا حکم رکھتی ہے۔ انگریز نے اپنے انداز پر ۱۸۸۵ء میں کانگریس اور پھر ۱۹۰۵ء میں مسلم لیگ کے ذریعہ ملت کے ایمانِ غیرت کے شعلہ جوالہ کو آتش خاموش میں تبدیل کر دیا۔ لیکن پھر بھی کیفیت یہ رہی کہ دیوبند۔ ندوہ اور جامعہ ملیہ ایک طرف مذہبی دنیا میں اور علی گڑھ کے علاوہ دوسرے انگریزی مدارس کے طلبہ اپنی جگہ ذرا سی ہوا چلنے پر چھپی ہوئی چنگاری کو بھڑکانے کا موجب بنتے رہے۔ محمود الحسنؒ۔ ابوالکلام آزاد۔ حسین احمد مدنی کے سے عربی دان اور محمد علی۔ شوکت علی۔ حسرت موہانی اور ظفر علی کے سے انگریزی خوان ملت کے بظاہر خاموش تاروں کو جذبات کے مضراب سے چھیڑتے تو ملت کے پوشیدہ نغمے بے تابیوں سے نکلتے اور فضاء کو مرتعش کر دیتے۔ تاآنکہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں ہندوستان میں اس تحریک کی ابتدا ہوئی جسے بظاہر جنگ آزادی کا نام دیا گیا۔ لیکن جو باطن اس ملک میں ہندو راج کے قیام کے منصوبوں پر مبنی تھی۔ سابرمتی کے گوسالہ پرست سامری کی نگاہِ باریک بین نے مسلمان کی فطرتِ سیمابی کو بھانپا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تدبیر سوچی۔ مسلمان مذہب کے نام پر مستانہ وار اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس نے اپنی تحریک کا دامن تحریک خلافت کے ساتھ باندھ دیا۔ "دیوانہ را ہوئے بس است" پھر کیا تھا مسلمان بگولے کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طوفان بپا کر دیا۔ ۱۹۱۸-۱۹ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ ایک حرکت تھی بلا مقصد۔ ایک سفر تھا بلا تعیین منزل۔ اس کے سامنے کوئی نصب العین نہ تھا اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ تمام جوش و خروش، یہ وجد و رقص بالآخر ہے کس لئے ——

"چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ" یہ تھا اس کا معمول۔

۱۹۳۰ء میں ایک بندۂ حق جسے مبداء فیض کی کرم گستری نے دانش برہانی کے ساتھ "دانش نوازی" کی متاعِ گراں بہا سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ داعیٔ حق بن کر سامنے آیا۔ وہ سازِ یورپ کی ہر رگِ تار سے شناسا تھا۔ اس مردِ خود آگاہ نے ایک عازم اور بے نیاز ملّاح کی طرح از سرِ نو کشتی چلانے کی ٹھانی۔ اُس نے قافلۂ ملّت کے چند بکھرے ہوئے افراد کو یکجا جمع کیا اور کہا آؤ! تمہیں بتاؤں کہ قرآن کریم نے تمہاری منزل کو ابدی متعین کر رکھی ہے اور ہندوستان کے احوال و ظروف کے پیش نظر اس منزل تک پہنچنے کے لئے کونسی صراطِ مستقیم ہے۔ اس نے گردو پیش کے حالات کا تجزیہ کیا اور اس کے بعد کہا:۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہندوستان جیسے ملک میں ایک ہم آہنگ "کل" کی تشکیل کے لئے بلند سطح کی فرقہ پرستی بالکل ضروری اور ناگزیر ہے۔ برعکس یورپین ممالک کے ہندوستان میں جماعتی تشکیل کی بناء جغرافیائی حدود نہیں۔ ہندوستان ایک ایسا برِاعظم ہے جس میں مختلف النسل۔ مختلف اللسان۔ مختلف المذہب انسانوں کی جماعتیں آباد ہیں۔ اُن کے نظریۂ زندگی کی بناء کسی مشترک نسلی شعور پر نہیں ہے۔ حتےٰ کہ "ہندو" بھی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کے مختلف افراد میں فکر و نظر کی یکسانیت ہو۔ ہندوستان میں یورپین اُصولوں کے مطابق جمہوریت کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہاں مختلف فرقوں کی جداگانہ ہستی کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک

اسلامی ہند (MUSLIM INDIA) کو معرض وجود میں لایا جائے

.... میری آرزو ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔

ہندوستان کی حکومت خود اختیاری زیر سایہ برطانیہ ملے یا اس سے باہر کچھ بھی ہو مجھے تو یہ ہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ ہندوستان دُنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدّنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اُسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ مسلمانانِ ہند کے اس زندہ اور جاندار طبقے ہیں کہ جس کے بل بوتے پر یہاں برطانوی راج قائم ہے (باوجودیکہ برطانیہ نے اُن سے کبھی منصفانہ سلوک نہیں کیا) اگر یوں ایک مرکزیت قائم کر دی جائے تو یہ آخر الامر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کی گتھیاں سلجھا دے گا۔

یہ مطالبہ مسلمانوں کی اس دلی خواہش پر مبنی ہے کہ انہیں بھی کہیں اپنے نشو و ارتقا کا موقعہ ملے۔ اس لئے کہ اس قسم کے مواقع کا حاصل ہونا اس وحدتِ قومی کے نظامِ حکومت میں قریب قریب ناممکن ہے جس کا نقشہ ہندو اربابِ سیاست اپنے ذہن میں لئے بیٹھے ہیں اور جس سے مقصدِ وحید یہ ہے کہ تمام ملک میں مستقل طور پر اُن کا غلبہ اور تسلّط ہو۔

۱۹۳۰ء: صدارت اقبالؒ سالانہ اجلاس مسلم لیگ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء

یہ ایک نئی آواز تھی جو ہندوستان کی فضا میں غلغلہ انداز ہوئی۔ یہ ایک انوکھا نصب العین تھا جو ہندی مسلمانوں کے سامنے رکھا گیا۔ نیا اور انوکھا اس لئے کہ مسلمان صدیوں کی غلامی سے یہ بھول ہی چکا تھا کہ قرآن کریم کی رو سے ایمان اور عمل صالح کا فطری نتیجہ استخلاف فی الارض ہے۔ اور مسلمان دنیا میں صرف اس لئے زندہ ہے کہ وہ خدا کی اس وسیع و عریض زمین پر حکومت خداوندی قائم کرے۔ چونکہ یہ آواز کانوں کو بالکل غیر مانوس معلوم ہوئی۔ اس لئے کسی نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ کسی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ایک شاعر کے عالم تصور کے حسین خواب ہیں۔ کوئی یہ سمجھ کر ہنس دیا کہ یہ ایک فلسفی کے طرفہ زا دماغ کی اُپج ہے جو ہندوستان کو ایک ملک نہیں بلکہ مجموعہ ممالک قرار دیتا ہے۔ جو یہاں کے باشندوں کو ایک قوم نہیں بلکہ مختلف اقوام کا مجموعہ خیال کرتا ہے۔ جو مسلمانوں کو ایک اقلیت نہیں بلکہ مستقل بالذات جداگانہ قوم گردانتا ہے۔ جو اس بیسویں صدی میں جمہوری نظام حکومت کو ہندوستان کے لئے ناقابل عمل ٹھہراتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو ہندوستان کے دو ٹکڑے کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مستقل طور پر حد فاصل قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس نے یہ سب کچھ سنا اور ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ وقت گزرتا گیا۔ حالات بدلتے گئے اور ابھی دس برس بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ واقعات نے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ سیاست ہند کی گتھیوں کا حل سوائے اس کے اور کچھ نہیں جو ۱۹۳۰ء میں اس "دیدۂ بینائے قوم" نے

پیش کیا۔ رحمہ اللہ تعالے۔

(۴)

۱۹۳۰ء تک مسلمانانِ ہند کی یہی کیفیت رہی مسلمان ریت کے ذرّوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ ملّت کا کاروان بے سالار متاعِ گراں بہا کو "محفوظ" کر لینے کی بے چینیوں کے ساتھ سالارِ کارواں کا متلاشی تھا۔ اس عرصہ میں علامہ مشرقی ایک "آتش بجاں مجاہد" بن کر لوگوں کی نظروں میں ابھرا لیکن "بے چین روح" بن کر قوم کی بگڑی بنانے کے لئے میدانِ عمل میں آئے۔ اُن پر کفر کے فتوے دئے گئے۔ اُن کے عزائم کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ لیکن وہ افرادِ قوم جو مجاہدانہ عمل کے پیکرانِ خلوص تھے یا ہند کی پہلی تحریکات کے بے نتیجہ ہنگاموں سے مایوس تھے۔ اس نئے ہنگامۂ عمل کو ملّتِ بدحال کے لئے آخری اور قطعی سامانِ حیات سمجھ کر کھنچ آئے۔

اس "قائد" کی سادگی اور جرأت آمیز روش نے ایک نیا ہیجانِ عمل پیدا کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے تحریک ایسی قوّت بن گئی کہ دوست تو دوست دشمن بھی حیران تھے، اِنسان آخر انسان ہے۔ تیز رفتار گھوڑا جب یکدم ٹھوکر کھاتا ہے تو اس کی رفتار تو رُک ہی جاتی ہے۔ لیکن وُہ گر کر یا تو دم دے دیتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے۔ اس مجاہد لیڈر کے عزائم کتنے بلند تھے لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ وہ سیدھے راستے پر چلتا جائے۔ شوق و معال نے منزل کی دُوری کو نظروں سے اوجھل کر دیا اور جذبہ بے تاب نے راہوارِ عمل کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آزمائشوں کی سنگلاخ زمین میں اُترتے ہی تدبّر کا امتحان ہُوا۔ قائد آتشیں روح کا مالک تھا۔ وُہ

سکون وعمل کا عادی نہ تھا۔ رُک رُک کر چلنے اور سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانے کی نہ خود اُسے مشق تھی اور نہ اپنے سپاہیوں کو اس نے یہ سبق دیا تھا۔ دشمن کو بھی اس کمزوری کا علم تھا۔ بساطِ سیاست کے شاطر اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لئے چھپ چھپ کر کمند ڈال رہے تھے۔ معصوم رُوحیں اپنی سادگی اور خلوصِ عمل پہ نازاں تھیں۔ لیکن دشمن کا داؤ چل گیا۔ اور وہی طاقت جو دیکھتے دیکھتے طلسمِ ہوشربا بن گئی تھی شعلہ کی طرح بُجھ کر رہ گئی۔

قائد کے ہاتھ پاؤں پابند سلاسل ہو گئے۔ سارا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ نمائشی ساتھی بھاگ گئے۔ مخلصین جان دے کر "شہیدِ وفا" ہوئے۔ ہمدرد معاون آہیں بھرتے رہ گئے۔ اس ابتلاء میں کشتگانِ محبت کا خلوص دوست دشمن سب کلماتِ تحسین کہلوائے بغیر نہ رہا۔ لیکن تدبیر غلط تھی۔ تجربہ کار اور مخلص دوستوں نے "قائد" کو دل چیر چیر کر دکھائے، اور راہ پہ لانے کی کوشش کی مگر خُون جب ایک مرتبہ گرم ہو جائے تو اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

علامہ مشرقی کو قائدِ اعظم سے کد تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ آئینی دور کے ہیرو سے حسد رکھنے کی وجہ سے متوازی چلنے کی بجائے ٹکرا کر فنا ہو گئے۔ خاکسار تحریک کے بعد افرادِ ملّت کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ دُور اُفق کے اس پار سے کوئی شاہسوار رواں دواں امیدوں کی ایک دُنیا اپنے ساتھ لئے اور سوختہ سامانوں کی طرف آئے۔ منتشر افراد کو پھر سے ایک مرکز پہ جمع ہونے کی دعوت دے اور اپنوں اور بیگانوں کی تیار کردہ ہلاکت وبربادی کی گھاٹیوں سے بچاتا ہوا کسی محفوظ مقام پر لے جائے۔ اس نئے دَور کے آغاز میں مسلمان بالکل منتشر اور تنکوں کی

طرح بے وزن ہو گئے۔ ہوا کا ہر جھونکا انہیں ادہر سے اُدھر اڑا لے جاتا۔ غیر تو غیر خود اپنوں کی یہ حالت تھی کہ اُن کی سحر طرازیاں اور فسوں سازیاں ملّتِ بیضا کو خدائے طور سینا سے ہٹا کر گئو سالہ پرستی کی دعوت دیتی تھیں۔ غرض کہ حالت یہ تھی کہ ؎

نشانِ راہ دکھلاتے تھے جو ستاروں کو

ترس گئے تھے کسی مردِ راہ داں کے لئے

قوم کی صحیح راہ نمائی کرنے والے ایک ایک کر کے چل بسے تھے۔ بزمِ ملّت کی آخری شمع جس کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں آنکھیں پُرنور تھیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو بجھ چکی تھی۔ اس کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں اللہ تعالےٰ نے اس منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کے لئے جناحؒ کو قائدِ اعظم بنا کر بھیجا۔ اس دانائے کار کی نگہ دور رس نے اپنے قافلے کو بتایا کہ اس کے گرد و پیش کس قسم کی خطرناک گھاٹیاں موجود ہیں۔ وہ گھاٹیاں کہ جن میں کبھی "متحدہ قومیت" کے دامِ ہمرنگ زمین میں کبوترِ حرم کو پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ کبھی کسی منبر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں اور یوں اس طائرِ لاہوتی کے بال و پر کو غبار آلودہ ارض و بوم بنا کر امتِ رسول کافۃ الناس کو جغرافیائی حدود کی آب و گل میں محبوس کیا جا رہا تھا۔ کہیں امرھم شوریٰ بینھم کی حامل قوم کی نگاہوں میں مخلوط انتخاب کے سراب کو آبِ حیواں بنا کر دکھایا جا رہا تھا۔ کہیں اس اولی الامر منکم کی مامور جماعت کے لئے غیر مسلموں کی امامت و قیادت کو عین دین قرار دیا جا رہا تھا۔ کہیں انگریز کے خلاف متحدہ محاذ کے طلسم سے کفار و مشرکین سے تولّی کے جواز کے فتاویٰ شائع ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایک مغنی آتش نفس سرود نگاہ دارد تھا کی متنغا

کے میں یہ خواب آور گیت گا رہا تھا کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ اس لئے اسلام کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں —— دوسری طرف کچھ خداوندان مکتب شاہین بچوں کے لئے اہنسا کی بازو شکن تعلیم کی اسکیمیں تیار کر رہے تھے۔ ہندو اپنے ذہن میں رام راج کے قیام کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ اور اس کے لئے انگریز سے شریفانہ معاہدے (GENTLEMEN'S AGREEMENT) استوار کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے شور و غوغا سے متاثر ہو کر انگریز بھی مسلمانوں کو بلا تامل ہندو کے ہاتھ میں دیدینے پر آمادہ تھا کہ وہ اپنی پانچ ہزار سالہ غلامی کا جذبۂ انتقام اس کے خون سے ٹھنڈا کرے۔ جو لوگ اغیار کی صفوں میں کھڑے ہو کر ملت اسلامیہ کی نمائندگی کا دعویٰ کر رہے تھے اُن میں اتنا سمجھنے کی بھی استطاعت نہ تھی کہ بساطِ سیاست پر یہ مہرے کس طرح چلائے جا رہے ہیں۔ ہندو خوش تھا کہ میں نے نو کروڑ فرزندانِ تہذیب کو اچھوتوں کی صف میں ملا دیا۔ انگریز راضی تھا کہ وہ خنجر ہلال جس کے بے نیام ہونے کے خوف سے کلیجۂ صلیب میں ہمیشہ دھڑکن رہتی تھی اُسے گنگا کی لہروں میں بہا دیا گیا کہ اس کس مپرسی کے عالم اور خلفشار و تشتت کے وقت قائد اعظم آگے بڑھے اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہر خفیہ منصوبے اور ہر پوشیدہ سازش کو ایک ایک کر کے بے نقاب کر دیا اور یوں اُن کے تصورات کی حسین دُنیا کو ایک خوابِ پریشان میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا پر اس حقیقت عظمیٰ کو واضح کر دیا کہ ؎

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

---

(۵)

اُصول و مبانی :-

اِس نئے دَور کا آغاز جن اُصول و مبانی سے ہُوا وُہ بالکل سادہ تھے یعنی:-

(۱) اسلام کی رُو سے قومیت کا مدار مذہب پر ہے جغرافیائی حدود، وطن کی چار دیواری، زبان اور نسل کا اختلاف سب غیر فطری امتیازات ہیں۔ نوعِ بشری کی تقسیم ایک معیار پر ہو سکتی ہے یعنی تمام وہ لوگ جو نظام خداوندی کے تابع زندگی بسر کرنے کا عہد کریں ایک قوم کے افراد اور ان کے علاوہ تمام انسان دوسری قوم کے افراد۔۔۔ اسی کا نام ایمان اور کفر ہے۔ اسی تقسیم کو قرآن نے حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) اس معیارِ تقسیم کی رُو سے ہندوستان کے دس کروڑ مُسلمان ایک جُداگانہ مستقل قوم کے افراد ہیں۔ ہندو اور مسلمان مل کر ایک قوم کسی صُورت میں نہیں بن سکتے۔

(۳) مسلمانوں کے نزدیک آزادی سے مفہوم یہ نہیں کہ غیر ملکی حکام (انگریز) یہاں سے نکل جائیں اور ان کی جگہ یہاں کی ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ اُن کے نزدیک یہ بھی اسی طرح کی غلامی ہو گی جس طرح انگریز کی حکومت اُن کے لئے غلامی ہے۔ آزادی سے اُن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اپنے لٹریچر و معتقدات کے مطابق زندگی بسر کرنے پر قدرت رکھیں اور دُنیا میں قرآنی نظام رائج کر سکیں۔

(۴) یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُن کا ایک مستقل مسکن (HOME LAND) ہو کیونکہ ہر دولتی نظام کے قیام کے لئے زمین کا ہونا لازمی ہے۔

(۵) ہندوستان کی موجودہ شکل میں اس کی آسان صُورت یہ ہے کہ مغربی اور مشرقی علاقوں میں جہاں حسنِ اتفاق سے مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی الگ اور قائم بالذات حکومت ہو جائے۔ اسی کا نام تقسیم ہند ہے۔ چوں کہ ہندو کے دل میں اپنی آزادی سے زیادہ مسلمان پر حکومت کرنے کا شوق چرا رہا تھا۔ اس لئے وُہ مسلمانوں کے اس مفہوم آزادی اور اُصول حُریت کو کس طرح تسلیم کر لیتا؟ اس سے اس کے رام راج کا خواب پریشان ہو جاتا تھا۔ اس لئے اس نے مسلمانوں کے اس حق و عدل پر مبنی دعوے کی مخالفت شروع کی اور چوں کہ مسلمانوں کے ان تمام دعاوی و مطالبات کا مدار اس بنیاد پر تھا کہ مذہب کی رُو سے وُہ ایک الگ قوم ہیں۔ انہوں نے یہ چلانا شروع کر دیا کہ مذہب ایک نجی (PRIVATE) عقیدہ کا نام ہے۔ جسے سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

ہندوؤں کی طرف سے تو یہ مخالفت ہونی ہی تھی، لیکن ہماری بدبختی کہ خود مسلمانوں میں سے ایسے لوگ بھی انہیں مل گئے جو مسلمانوں کے ان مطالبات کی مخالفت میں اُن کے ہمنوا ہو گئے —— ہمنوا ہی نہیں بلکہ اُن کے آلات بکر الصوت بن گئے —— آنے والا مؤرخ یہ منظر بھی حیرت و استعجاب سے دیکھے گا کہ مسلمانوں کے مطالبات کی وکالت کرنے والا ایک ایسا شخص ہے۔ جسے امُورِ دینیہ کے عالم ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں اور اس کی مخالفت میں وہ

گردوپیش ہے جو اپنے آپ کو حاملانِ دینِ مبین اور مفتیانِ شرع متین کے القابات سے متعارف کراتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اس دس سالہ جدوجہد میں غیروں سے زیادہ اپنوں کی مخالفت نے کاروانِ ملت کا راستہ روکا لیکن اللہ کی رحمت نے نصب العین متعین ہو جانے کے بعد ملت کے دل کو مضبوط کر دیا۔ قائداعظمؒ آگے بڑھتے گئے۔ اس ناخدائے کشتئ ملت کی متاعِ گراں اس کے سوا کچھ نہ تھی سے

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

تحریکِ پاکستان

۱۹۳۰ء میں جو نظریہ حکیم الامت نے پیش کیا اس کو ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قائداعظمؒ نے بدیں الفاظ مہرِ تصدیق ثبت کی:۔

The only course open to us all is to allow the major Nations separate homelands by dividing India into autonomous National States.

اور اس کو آل انڈیا مسلم لیگ نے یہ شکل دی

قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی پختہ رائے یہ ہے کہ اس ملک میں دستور بندی کی کوئی تجویز جو حسبِ ذیل بنیادی اصول

پر وضع نہیں کی جائے گی۔کسی صورت میں قابلِ عمل یا مسلمانوں کے لئے
قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

اُصول یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے متصل واقع ہونے والے قطعات ملکی
کو الگ الگ حلقے قرار دے کر حد بندی مناسب ردو بدل کے ساتھ
اس طریق سے کر دی جائے کہ وہ رقبے جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد
آبادی کی اکثریت رکھتے ہیں۔ آزاد ریاستیں قائم کر سکیں۔ مثلاً وہ
منطقے جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں واقع ہیں اس مقصد
کے لئے الگ کر دیئے جائیں اور ان منطقوں کے داخلی اجزاء اپنی اپنی
جگہ خود مختار اور باسیادت سمجھے جائیں۔

پھر اس کی مزید تشریح یوں فرمائی :-

Geographecally contiguous units should be demarcated into regions which should be so constituted with such territorial readjustments as may be necessary, that the areas in which the Muslims are numerically in a majority as

in the N. W. & EASTERN ZONES of India should be grouped to constitute independent states in which the constituent units shall be autonomous and Sovereign. Steps should be taken as soon as the circumstances may permit or immediately after the termination of war to frame a proper scheme for the partition of India in consultation with the All India Muslim League.

حکیم امت کا نظریہ اب عرف عام میں پاکستان کے نام سے مشہور ہو گیا اور جب ۱۹۴۱ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا تو پاکستان کے نظریہ کو بُنیادی قانون کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ لیگ نے اب اپنا نصب العین ان الفاظ میں متعین کیا :-

مکمل آزاد ریاستوں کا استقرار جو اس طرح متعین کی جائیں گی کہ شمال مغرب اور شمال مشرق کے وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے

مسلمانوں کے ہی نشین ہوں گے۔ ان کی حکومت میں کسی غیر کا عمل دخل نہ ہوگا۔"

پاکستان کا نظریہ اب آہستہ آہستہ خانہ رجہاں تاب کی درخشندہ شعاعوں کی طرح مطلع سیاست ہند پہ چھائے جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ باطل کی ظلمتنا کیاں چپکے چپکے دبے پاؤں پیچھے کو سرکتی جا رہی تھیں۔ اس تذبذب کا آئینہ دار وہ خطبہ صدارت تھا جو جمعیتہ علمائے ہند کے اجلاس لاہور کی تقریب پر جناب حسین احمد صاحب مدنی نے ۱۹۴۲ء کے شروع میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں علاوہ دیگر امور اس حقیقت کو ابھار کر سامنے لایا گیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت تصور کر کے ان کے سیاسی مسائل کا حل نہیں سوچنا چاہئے۔ بلکہ انہیں ایک قوم کی حیثیت دینی چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:۔

ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گزشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں برطانیہ کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں کے مسائل سے وابستہ کر دیا ہے۔ برطانوی سیاسئین اور مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملے میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اسی بنا پر ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے متعلقہ مسائل کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہیں جو اقلیتوں کے مسائل کے ساتھ کرنیوالی ہیں۔ یہ خیال انگریز حل اور غیر مسلموں تک محدود نہیں رہا بلکہ مس کا

نتیجہ یہ ہُوا کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقے کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اس وجہ سے وہ اندیشے اور وسوسے اور خطرات اُن کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ بجائے خود ہندوستان میں مسلمان کی تعداد یورپ کے کسی بڑے بڑے خطّے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ نیز ہندوستان کی تعمیر میں اُن کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں اُن کی تعداد نو اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وُہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے انہیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں۔ اور اگر صوبوں کی از سرِ نَو تجدید اور توسیع کی جائے تو وُہ تیرہ[۱۳] مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کر لیں گے۔ ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دیکر دیگر اقلیتوں میں انہیں شامل کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑا اور کیا فریب دُنیا کو دیا جا سکتا ہے۔"

یہ رجحانات اس حقیقت کے غماز تھے کہ یہ حضرات اب کس طرح اپنے

دل کی گہرائیوں میں ملت اسلامیہ کے دعاوی و مطالبات کو حق بجانب محسوس کرتے تھے۔ لیکن ہماری شوریدہ بختی کہ اس کے باوجود انہیں یہ جرأت نصیب نہ ہوئی کہ اس احساس کا کھلے بندوں اعتراف کر لیتے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ قوم کی تگ و تاز جو باہمی مخالفت کے مقابلہ میں صرف ہوئی کسی تعمیری مقصد کے لئے کام آتی اور آج اس کا مقام اس کے موجودہ موقف سے کہیں بلند ہوتا، لیکن ایسا نہ ہوا۔ اور یہ اتنا بڑا نقصان ہے جس کی تلافی ایک مدت میں جا کر ہو سکے گی۔

ان حضرات کا سب سے بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ مسٹر جناح امور دین سے واقف نہیں۔ اس لئے ارباب مذہب کے نزدیک اُن کا پیش کردہ نصب العین درخور اعتنا نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو اس صغریٰ و کبریٰ کی کڑیوں میں کوئی باہمی ربط نہ تھا۔ دیکھنا تو یہ تھا کہ جو نصب العین پیش کیا جا رہا ہے، وہ غیر اسلامی ہے یا دین کے عین مطابق! لیکن انہی دنوں بعض چیزیں ایسی بھی سامنے آگئیں جن سے یہ حقیقت نمایاں ہو گئی کہ مسٹر جناح نے جس نظریہ کو صحیح سمجھا ہے وہ کس طرح دین کے مطابق ہے۔ ۱۹۴۲ء میں قائداعظمؒ حیدرآباد تشریف لے گئے تو بعض نوجوانوں نے ان سے کچھ سوالات کئے۔ یہ مکالمہ شروع ۱۹۴۲ء میں اور ینٹ پریس کی وساطت سے اخبارات میں شائع ہوا۔

اپریل ۱۹۴۲ء میں طلوعِ اسلام نے یوں شائع کیا:۔

سوال - مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب:۔ جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت

اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب، کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ تو کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیمُ الشّان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلّق ہدایات موجود ہیں —— زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرض کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن حکیم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصّہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

سوال۔ اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

جواب۔ اشتراکیت۔ بالشویکیت، یا دیگر اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ اُن میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا رابطہ اور تناسب توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال۔ ترکی حکومت تو ایک دنیوی ریاست (SECULAR STATE) ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے۔ آپ کا اس باب میں کیا خیال ہے؟

جواب۔ تری کی حکومت پر میرے خیال میں مادی حکومت (SECULAR STATE) کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصوّر کا امتیاز، سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خُدا کی ذات ہے جس کیلئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔

—— اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی، قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حُدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے (آپ جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں) بہرحال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

سوال۔ وہ سلطنت ہمیں ہند میں کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔

جواب۔ مسلم لیگ کی تنظیم، اس کی جدوجہد، اس کا رُخ، اس کی راہ، سب اس سوال کے جواب ہیں۔

سوال۔ جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریق کار دونوں میں بہترین اور برترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور تصورات زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور روبہ ترقی لا سکیں۔ تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی

تعبیر و تشریح کر دے۔

جواب۔ (دقت یہ ہے کہ) جب اس جد و جہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت تقسیم عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں۔ ان اُمور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت و مستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سر انجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ انہیں ہیں ان مولوی صاحبان میں (الاماشاءاللہ) نہیں پاتا۔ (اور پھر مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔

(٦)

جنگ عالمگیر ثانی اور اُس کے بعد :۔

۱۹۴۲ء میں جنگ عالمگیر ثانی نازک ترین دور میں داخل ہو چکی تھی۔ جرمنی کاکیشیا کے پہاڑوں سے ہوتا ہوا ایران تک آ پہنچا تھا۔ اور جاپان۔ برما اور آسام کی سرحد پر پر تول رہا تھا۔ "ہند" شمال۔ مشرق و مغرب سے خطرہ میں تھا پورا تعاون حاصل کرنے کے لئے برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ جنگ کے اختتام کے بعد ہندوستان کو خود مختاری دے دی جائے گی۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۲ء کو سٹیفورڈ کرپس کو چند تجاویز دے کر ہندوستان بھیجا گیا۔ تاکہ وہ ان کی بنا پر مساعی جنگ میں ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں حاصل کر سکیں۔ تجاویز کرپس میں پہلی بار "پاکستان کا اصول"

تسلیم کیا گیا۔ ان میں وائسرائے کی مجلسِ انتظامیہ میں دفاع کے سوا تمام محکمے ہندوستانیوں کو دینے کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ ہندوستان کی یونین میں شرکت کے دس سال بعد کوئی صوبہ یونین سے علیحدہ ہو سکتا ہے اور یہ علیحدہ شدہ صوبے اپنا الگ وفاق بنا سکتے ہیں۔

کانگریس اور لیگ دونوں نے کرپس تجاویز کو ٹھکرا دیا۔ گو ہر دو کے نزدیک اس کے اسباب مختلف تھے۔ جاپان کے جنگ میں شامل ہو جانے اور سبھاش بابو کے آزاد ہند فوج کے قائم کرنے نے کانگریس کو کامیابی کے نشاطِ تصور سے اندھا کر دیا۔ اس نے راجگوپال اچاریہ (حال گورنر جنرل ہندوستان) کے زور دینے پر بھی کہ تقسیم ہند کا اصول مان لیا جائے۔ الٰہ آباد میں جلسہ کر کے جگت نرائن کی یہ تجویز منظور کر لی :۔

"آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی رائے ہے کہ ہندوستان کی کسی جزوی مملکت یا علاقہ واری وحدت کو ہندوستان کی یونین یا وفاق سے الگ ہو جانے کی اجازت دے کر ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی ہر تجویز ملک کے بہتری کے لئے انتہائی نقصان دہ ہو گی۔ اس لئے کانگریس ایسی کسی تجویز پر مفاہمت نہیں کر سکتی"

راجگوپال اچاریہ اور کمیونسٹ کانگریس سے الگ ہو گئے لیکن خداوندان کانگریس کے سر پر "طاقت کا بھوت" سوار تھا۔ انہوں نے ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس بلایا اور انگریزی حکومت

سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے (QUIT INDIA) کے نعرہ سے عدم تشدد کے دیوتاؤں نے ایک سرتا پا متشددانہ تحریک کا آغاز کر دیا۔ لندن کی بمباری پر ٹسوے بہانے والا بہاتما خونخوار درندوں کا گروہ بن گیا پھر کیا تھا۔ سینکڑوں دفاتر نذر آتش ہو گئے۔ ریلوں کی پٹڑیاں اکھڑ گئیں۔ انگریز قتل ہوئے اور بعض جگہوں پر زندہ انسان جلا دئے گئے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد وحید یہ تھا کہ برطانوی حکومت مشکلات سے پریشان ہو کر ہندوستان کے تمام اختیارات ہندو کانگریس کے حوالے کر دے۔

٭ ٭ ٭

مُسلم لیگ کی اپنی مشکلات تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے نازک مرحلہ پر بھی ہمیں غیروں سے زیادہ اپنوں نے نقصان پہنچایا۔ ۲۱ر جولائی ۱۹۴۲ء کو لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند نے ایک قومی دفاعی کونسل قائم کی جس میں مسلم لیگ سے بالا بالا وزرائے اعظم۔ سکندر حیات خاں (پنجاب) مولوی فضل الحق (بنگال) اور سعد اللہ خاں (آسام) کے علاوہ بعض دوسرے ممتاز مسلم لیگیوں کو شامل کر لیا ——— قائد اعظمؒ نے اس نامزدگی کو مُسلم لیگ اور مسلمانوں کی توہین قرار دے کر "شرکا" سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کیا۔ سکندر حیات اور سعد اللہ خاں تو جھک گئے لیکن فضل الحق صاحب اکڑ گئے انجام کار (مارچ ۱۹۴۰ء میں) پاکستان ریزولیوشن پیش کرنے والے شیر بنگال اپریل ۱۹۴۳ء میں "غدار قرار دے کر" مُسلم لیگ سے نکال دئے گئے اور یہ انکی سیاسی موت تھی ———

قائد اعظمؒ نے ہفتہ وار "ڈان" (دہلی) کو روزنامہ کیا اور اب مسلم قوم کو بھی ایسی "زبان" مل گئی جس سے مسلمانوں کی آواز دوائرِ اعلٰے اور بیرونجات میں سنی جائے گی۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس دہلی میں قائد اعظمؒ نے مسٹر گاندھی کی عیارانہ حرکات کا پردہ چاک کیا۔ ۲۱ جولائی ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ ہوا — وہ بال بال بچ گئے اور مسلمانوں نے یوم تشکر منایا۔

اپریل ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سیالکوٹ میں منعقد ہوا یہ اجلاس دو بار ملتوی ہو چکا تھا۔ خضر وزارت کی غداری اور شوکت حیات خان کی برطرفی نے مسلمانان پنجاب کو غیر معمولی جوش سے بھر دیا اور "خضر" کے خلاف کھلی بغاوت شروع ہوئی۔ وزارتی پارٹی کے کئی ارکان مسلم لیگ پارٹی میں آ گئے۔ ۲۳ ارکان نے سیالکوٹ کانفرنس میں شرکت کی۔ جہاں قائد اعظمؒ نے اپنی تقریر میں مذاکرات کی رفتار اور خضر حیات کے طرزِ عمل پر ایک حقائق پرور تبصرہ کیا

۱۷ جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں قائد اعظمؒ نے "راجہ فارمولہ" کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ جس تجویز کو "قرارداد پاکستان" کا لب لباب کہا جا رہا ہے۔ وہ مسلم لیگ سے کانگریس کی قائدانہ حیثیت تسلیم کرانے کی عیارانہ کوشش ہے۔ ستمبر ۱۹۴۴ء میں مسٹر گاندھی (جو خرابی صحت کی وجہ سے غیر مشروط رہا ہو چکے تھے) اور قائد اعظمؒ کے درمیان بمبئی میں مذاکرات شروع ہوئے۔ آخر گفتگو اور خط و کتابت کے بعد قائد اعظمؒ نے فرمایا:۔

پاکستان کا حق علیحدگی گاندھی جی کی زبان پر ہے دل میں نہیں "۔۔۔۔

جنوری ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کانگریس پارٹی کے لیڈر بھولا بائی ڈیسائی آنجہانی اور مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر لیاقت علی خان کے درمیان لیاقت ڈیسائی فارمولا طے پایا۔ جس سے پہلی بار کانگریس کی طرف سے دو قومی نظریہ کی تائید کی گئی۔ اس مفاہمت میں طے کیا گیا کہ مرکز میں مسلم لیگ اور کانگریس کی نمائندگی مساوی ہوگی۔ حالانکہ پیشتر ازیں کانگریس مسلمانوں کو اپنے مناسب آبادی کے مطابق نیابت دینے کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

وائسرائے ہند لارڈ ویول اس فارمولے کی روشنی میں آئینی اور سیاسی تعطل کو دور کرنے کے ذرائع دریافت کے لئے لندن گئے۔ جہاں سے واپسی پر ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو انہوں نے اپنی تجاویز کا اعلان کیا۔ جن میں وائسرائے کی مجلس انتظامیہ میں سپہ سالار اعظم کے سوا تمام ارکان ہندوستانی (و پاکستانی) رکھنے کا اعلان اس اصول پر کیا گیا کہ مجوزہ مجلس انتظامیہ میں (اعلیٰ ذات کے) ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی مساوی ہوگی۔

"اعلیٰ ذات کے ہندوؤں" کے الفاظ پر مسٹر گاندھی نے بہت پیچ و تاب کھائے اور اس سلسلہ میں انہوں نے وائسرائے کو جو مبہم پیغامات بھیجے اُن سے یہ حقیقت کہیں زیادہ آشکارا ہوگئی کہ مسٹر گاندھی اول و آخر ہندو ہیں اور "ہندو" کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ویول تجاویز کے مطابق ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو شملہ کانفرنس شروع ہوئی، جو

کانگریس کی ضد کی وجہ سے ناکام رہی اور ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء کو وائسرائے نے اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

شملہ کانفرنس نے کئی گمراہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ جوق درجوق مسلم لیگ میں آنا شروع ہو گئے۔ جن میں مرکزی اسمبلی کانگریس پارٹی کے لیڈر خان عبدالقیوم خان۔ میاں افتخار الدین صدر پنجاب کانگریس اور ملک فیروز خان نون قابل ذکر ہیں۔

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے اس روح پرور نظارے کے ساتھ علمائے کرام بھی میدان میں نکل آئے اور مشائخ عظام نے بھی اس نازک وقت میں قائد اعظم کی قیادت میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا اعلان کر دیا۔ علمائے کرام نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی صدارت میں اپنی قوتیں جمعیتہ علمائے اسلام کی صورت میں مجتمع کیں۔ قوم کی طرف سے اس حوصلہ افزاء جواب پر قائد اعظمؒ نے زیادہ یقین کے ساتھ دشمنان ملت کو چیلنج کیا کہ اگر تمہیں مسلم لیگ کے دعوئے نمائندگی پر شک ہے تو اس سوال پر انتخابات عمومی میں مقابلہ کریں۔

انگلستان میں اب جنگ عالمگیر ثانی کے بعد چرچل کی بجائے کلیمنٹ اٹیلی کی قیادت میں مزدور حکومت برسراقتدار آ گئی تھی۔ وائسرائے نے انتخابات عمومی کا اعلان کر دیا۔ اور نئے وزیر اعظم سے مشورہ کرنے کے لئے لندن گئے۔

قائد اعظمؒ نے قوم کو بتایا کہ انتخابات دو مسئلوں پر لڑے جا رہے ہیں:

۱۔ مسلمان مسلم لیگ کو واحد نمائندہ جماعت سمجھتے ہیں!

ب - مسلمان پاکستان چاہتے ہیں!

یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی - لیکن قائد اعظم کو کامیابی کا پورا یقین تھا۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انہوں نے کوئٹہ میں فرمایا :-

"ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے - انشاء اللہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔"

اس کے مقابلہ میں ۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو جواہر لال نہرو نے لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

" اگر ہم نے انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا تو ہم اس کی پوری تیاری کریں گے - اور جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا - ہم اس کو کچل دیں گے - ہم لڑنا جانتے ہیں - ہم نے حکومت برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے۔"

انتخاب کے معرکۂ حق و باطل میں کانگریس اور منافقین کی تمام طاقتوں اور انگریز کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے باوجود نتیجہ یہ نکلا :-

ا - مرکزی اسمبلی میں ۳۰ کی ۳۰ نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں - نصف سے زیادہ حریفوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں -

ایک فریب خوردہ حسین لال جی قائد اعظمؒ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں گستاخی کی - لیکن ۳۶۰۳ کے مقابلہ میں اُسے ۱۲۷ ووٹ ملے اور دوسرے حلقے میں اسے ۸۳ ووٹ ملے۔

ب - صوبائی انتخابات میں بمبئی - مدراس اور اڑیسہ میں مسلم لیگ نے ۱۰۰ فیصدی

کامیابی حاصل کی۔ آسام میں ۳۴ میں سے ۳۱۔ بنگال میں ۱۲۳ میں سے ۱۲۲۔ بہار میں ۳۶ میں سے ۳۰۔ یوپی میں ۶۶ میں سے ۵۵۔ پنجاب میں ۸۶ میں سے ۸۰۔ سندھ میں ۳۵ میں سے ۲۸ اور سرحد میں ۳۸ میں سے ۱۷ اور سی پی میں ۱۴ میں سے ۱۳ نشستیں جیت لیں۔

انتخابات کے فوراً بعد لیگ کے متعدد مخالف ارکان لیگ میں آگئے جس سے لیگ کی کامیابی کا تناسب اور زیادہ ہو گیا۔

لیگ کی اس عظیم الشان اور فقید المثال کامیابی سے ایوان باطل متزلزل ہو گیا۔ اسلامیان ہند اس آزمائش میں سرخرو نکلے۔ اب دشمنانِ ملت نے اپنی تمام تر قوتیں اس امر پر مرکوز کر دیں۔ کہ مسلمانوں کو صوبائی انصرام سے محروم رکھا جائے۔ پنجاب میں یہ "مقدس" خدمت سرانجام دینے کے لئے "امام الہند" تشریف لائے۔

انتخابات سے پہلے ملک خضر حیات خان نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ نے انتخابات جیت بھی لئے تو وزارت میری ہی بنے گی۔ لوگ ملک صاحب کے اس خیال کا مذاق اڑاتے تھے کیوں کہ بظاہر یہ بات مشکل معلوم ہوتی تھی "مولانا" آزاد نے خضر حیات کے اس "خواب" کو درست کر دکھایا۔ انہوں نے ۸۰ ارکان کو نظر انداز کر کے پانچ ارکان کی "پارٹی" کے لیڈر کو کانگریس، اکالی پارٹی اور ختم شدہ اتحاد پارٹی کے لیگ دشمن محاذ کا لیڈر تسلیم کر لیا اور رسوائے عالم گورنر گلینسی کے ہاتھوں ایک اقلیتی وزارت اس صوبہ پر مسلط کرا دی جس کی اکثریت مسلم لیگ پر اعتماد کا اظہار کر چکی تھی۔

(۷)

۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو لندن سے ایک وزارتی مشن بھیجا گیا جس کے ارکان (۱) وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس (۲) وزیر تجارت سٹیفورڈ کرپس اور وزیر البحر الیگزینڈر تھے۔

۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو انہوں نے اپنی تجاویز کا اعلان کیا۔ جن میں مرکز میں فوری طور پر عارضی حکومت کی تشکیل کے علاوہ صوبوں کی گروہ بندی کی تجویز پیش کی گئی۔ گروہ بندی کی تجویز کے مطابق ہندوستان کے صوبوں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا۔

الف گروہ میں مدارس، بمبئی، یو۔پی، بہار۔ اڑیسہ اور سی۔پی۔

ب گروہ میں پنجاب۔ سرحد۔ سندھ۔

ج گروہ میں بنگال و آسام شامل کئے گئے۔

یہ گروہ بندی لازمی رکھی گئی۔ اس کے ساتھ ہر صوبے کو اختیار دیا گیا کہ نئے دستور کے ماتحت پہلے انتخاب عمومی کے بعد وہ اپنے گروہ سے علیحدہ ہو سکتا ہے آئندہ دستور کی تشکیل کے لئے مجلس دستور ساز کا خاکہ بھی پیش کیا گیا۔ ان سفارشات کے متعلق مسلم لیگ کا ردِ عمل ۵ جون تک معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن کانگرس کی طرف سے فوری طور پر غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ مسٹر گاندھی نے اسے "بہترین تجویز" کہا —— ایک ہندو نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق جب یہ تجویز نشر ہو رہی تھی تو سننے والے یقین نہیں کر سکتے تھے کہ برطانوی حکومت کی طرف سے اتنی اچھی تجویز پیش ہو سکتی ہے۔ ہندو لیڈروں کو یقین ہو گیا کہ :-

" پاکستان کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا ہے "

ہندوؤں کا یہ تمام جوش مسرت عارضی ثابت ہؤا - انہیں اطمینان تھا کہ مسلم لیگ اس تجویز کو رد کر دے گی اور کانگرس بلا شرکت غیرے ہندوستان کی مالک بن جائیگی لیکن ۶؍ جون ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیگ کونسل نے جب اس تجویز کو یہ کہہ کر منظور کر لینے کا فیصلہ کر لیا کہ اس میں " پاکستان کی بنیاد " موجود ہے تو ہندو دُنیا کی تمام خوشی ماتم میں تبدیل ہو گئی - اب انہیں اس تجویز میں نقائص و عیوب نظر آنے لگے - چنانچہ کانگرس نے صُوبوں کی جبری گروہ بندی اور مرکز میں ہندو مسلم مساوات کو قابلِ اعتراض قرار دیتے ہوئے ۲۴؍ جون ۱۹۴۶ء کو وزارتی تجویز کے استرداد کا فیصلہ کر دیا - حالانکہ اس سے پیشتر کانگرس مساوات کے اصول کو تسلیم کر چکی تھی -

وائسرائے نے ۱۶؍ جون ۱۹۴۶ء کو اعلان کیا کہ مرکزی حکومت کی تشکیل ضرور کی جائے گی - اگر کوئی سیاسی جماعت اس میں شرکت سے انکار کر دے گی - تب بھی دوسرے عناصر کے تعاون سے مرکزی حکومت ضرور بنائی جائے گی - اس واضح اعلان کے بعد مرکز میں حکومت کی تشکیل مسلم لیگ کا حق تھا جو وزارتی تجاویز کو تسلیم کر چکی تھی لیکن کانگرس کے استرداد کے ساتھ ہی حکومت نے " عارضی حکومت " کی تجویز کو معرض التوا میں ڈال دینے کا اعلان کر دیا - جو وائسرائے کے اعلان کی صریح خلاف ورزی تھی - اسی دوران میں کانگرس اور وائسرائے میں درپردہ سودا بازی ہوئی - مسٹر گاندھی اور برطانوی نمائندوں میں خفیہ نامہ و پیام کا سلسلہ بھی جاری رہا جس کی تفاصیل آج تک دُنیا کو معلوم نہیں ہو سکیں -

مسلمانوں کے دلوں میں اب برطانوی حکومت کے عزائم پر شبہ ہونے لگا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ہندوستان اور انگلستان کے بنیوں نے در پردہ مسلمانان ہند کی قسمت کا سودا کر لیا ہے۔ اس در پردہ کارگذاری اور برطانوی حکومت کی بدعہدی نے اسلامی ہند میں ہیجان پیدا کر دیا۔

چنانچہ جولائی ۱۹۴۶ء کے اواخر میں بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلایا گیا۔ جس میں متفقہ طور پر وزارتی تجاویز کو رد کر کے براہِ راست اقدام (DIRECT ACTION) کا پروگرام طے ہوا۔

قوم نے اس فیصلہ کا خیر مقدم انتہائی گرمجوشی سے کیا۔ قائد اعظمؒ نے ۱۶؍اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائرکٹ ایکشن ڈے (یوم عمل) منانے کا حکم دیا۔ تاکہ مسلمان اس روز ہڑتال۔ جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ پُر امن مظاہروں سے وحدتِ عمل کا ثبوت دیں۔

سوئے ہوئے شیروں کی اس انگڑائی سے دشمنانِ حق بوکھلا گئے اور کلکتہ سے فسادات کا آغاز ہوا۔ جہاں طے شدہ پروگرام کے مطابق مسلمانوں کے پُر امن جلوس پر حملے شروع کر دیئے گئے۔

۲؍ستمبر کو ویول کانگرس سازش سے مرکز میں مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر عارضی حکومت ترتیب دی گئی اور نہرو کی قیادت میں مجاہدین سرحد پر اس "نئی حکومت" نے بمباری کی۔

نواکھلی۔ بہار کے بعد اطراف ہند میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ یہ انگریز اور ہندو کی ذہنی اور فکری شکست کے بعد چھچھورا پن کا عملی مظاہرہ تھا۔

قائدِ اعظم کے تدبر اور عمل نے اور ملّت اسلامیہ کے "ضبط و صبر" نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دئیے تو وہ اور جھنجھلائے۔ اور جہاں جہاں مسلمان تعداد میں کم تھے وہاں جنگلی قانون کی رُو سے ان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کی ٹھان لی۔

پنجاب میں خضر بد انجام نے اپنی شکست کا یوں اعتراف کیا کہ ۲۴ر جنوری ۱۹۴۷ء کو صوبہ بھر مسلم نیشنل گارڈز کو خلاف قانون قرار دیدیا۔ زندہ دلان پنجاب نے ۳۴ دن تک عدیم النظیر یک جہتی، ولولۂ عمل اور جوش و خروش سے تحریک سول نافرمانی جاری رکھی۔ یہ حالات تھے۔ جب ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم برطانیہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ برطانیہ جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات اہالیان ہند کے حوالے کر دے گا۔ اب پنجاب۔ دہلی۔ گوڑ گانوں وغیرہ میں غنڈہ گردی مسلّط ہو گئی۔ اور ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو ہند کی نئی آئینی تبدیلیوں کے متعلق تاریخی سرکاری اعلان ہوا جس نے مسلمانوں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے تسلیم کر لیا۔ اس ضمن میں ہز ر۔ بلدیو سنگھ اور قائدِ اعظم کی تقریریں ہر جگہ بڑے شوق سے سُنی گئیں۔ اس کے بعد تحدیدی کمشن صدر سر سرل ریڈکلف نے تقسیم اور حد بندی کے تمام مسلمہ اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر پنجاب اور بنگال کا مسلم اکثریت کا علاقہ ہندوستان کو دیدیا۔ یہ تھی آخری نوازش جو سفید بنئے نے اپنے "بھائی" پر کی۔ اور آخری ضرب جو ملّتِ اسلامیہ پر لگائی!

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء (بروز جمعۃ الوداع) دو نئی مملکتوں آزاد پاکستان اور آزاد ہندوستان کا قیام عمل میں آیا۔

ہندو نے اپنے سفید فام آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے نوازش ہائے پیہم

کا بدلہ چکانے کے لئے مونٹ بیٹن کو گورنر جنرل بنا لیا اور کاروان ملت کا سالار خود اس کا بوڑھا جرنیل قائد اعظم بنا اور ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں آزادی کی پہلی عید منائی گئی۔

(۸)

ہماری کوتاہیاں :-

قیام پاکستان کے دوران میں ہی ہندو اور انگریز نے مل کر بعض بنیادی خامیاں پیدا کر دی تھیں اور ان کا خیال تھا کہ یہ (لنگڑا) پاکستان ۳-۴ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکے گا۔ اس پر المضاعف یہ کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی انہوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس سے ۶ لاکھ سے زیادہ مسلمان اس نوزائیدہ سلطنت میں بے در اور بے گھر ہو کر آ پہنچے۔ جونا گڑھ پر قبضہ کر لینے کے بعد کشمیر میں ڈوگرہ گردی شروع کر دی گئی۔ (مسلمانوں کے قتل عام اور مظالم کے چشمدید واقعات اور تجربات کے لئے میری کتاب سم زندگی پڑھئے)

پاکستان ان گوناگوں مشکلات کے باوجود اللہ کی رحمت کا نمونہ بنا رہا۔ اور اب تو مصائب کے بادل بھی چھٹ گئے ہیں۔ کشمیر میں ہندوستان کے گورنر جنرل کی خواہش پر عارضی صلح ہوئی ہے۔ دشمنان حق اب پاکستان کو زندہ حقیقت ماننے پر مجبور ہے۔ یہ مقدمہ اصل میں نہایت مختصر اجمال ہے۔ اس تفصیل کا جواب آپ کو میری کتاب "جہان نو" میں ملے گا۔ مروست ۱۹۴۹ء کے فول فیصل کے ساتھ ہی یہ مقدمہ اور تعمیری پروگرام فوراً شائع کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا ہے کہ نئے انتخابات میں ایک نئے دور کا آغاز کیا جا سکے۔ ہماری گزشتہ دس سالہ جدوجہد

میں لیگ کی حیثیت ہندوؤں کے مقابلہ ایک فریق تخاصم سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ ایک نہایت قابل اور دیانتدار وکیل تھا جو دُنیا کی عدالت میں ملّتِ اسلامیہ کا مقدمہ لڑ رہا تھا۔ اُسے ضرورت فقط اتنی تھی کہ جب قوم سے کسی عدالت میں پوچھا جائے کہ یہ تمہارا وکیل ہے اور تم نے اسے مختار نامہ دے رکھا ہے تو وہ کہہ دے "بے شک"۔ لہٰذا اربابِ لیگ (جو بعد میں اربابِ حکومت میں گئے) کے ذمے اس سر ہلا دینے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔ بنابریں لیگ کے مناصب و مدارج کے لئے معیارِ انتخاب اتنا ہی تھا کہ وہ شخص اتنی مالی حیثیت رکھتا ہو کہ "عدالتوں" میں حاضری کے لئے خرچہ نہ طلب کرے۔ اس خرچ کے معاوضہ "لیڈری کی شان" کوئی مہنگا سودا نہ تھا۔

پاکستان کے قیام تک لیگ کی قیادت اربابِ دولت و حشمت کے لئے بالعموم ذہنی عیاشی سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ نہ انہیں عوام سے کوئی ربط تھا۔ نہ اُن کے احوال و کوائف کی کچھ خبر۔ نہ اُن کے دل میں قوم کا کوئی درد تھا نہ اس درد کے مداوی کی فکر۔ اقلیت کے صوبوں میں پھر بھی ان لوگوں کو ہندوؤں کی بالادستی کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اکثریت کے صوبوں میں تو عام طور پر یہ لیڈری نوابی ٹھاٹھ تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ یہ اکابرین برف کی سلوں کی طرح ملّت کے قوائے عملیہ کو مفلوج کئے ہوئے تھے۔ یہ اکاس بیل شجرِ ملّت پر چھائی ہوئی تھی۔ اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ درخت کی تمام رطوبتوں کو چوس کر خود سرسبز شاداب رہے۔ یہ حقیقت قیام پاکستان کے بعد اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔

اب پاکستان کے آفتاب جہاں تاب نے ان سلوں کو پگھلا رہا ہے اس آکاس بیل کو خشک کر دیا ہے۔ قائد اعظمؒ کا فاروقی کوڑا گو اب ان کے سر پر نہیں۔ لیکن ملت خود بابائے ملت کی جانشین ہو چکی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اپنی سابقہ غلطیوں کا کھلے دل سے اعتراف کر لیں اور پھر قارونیت کی سرمایہ داریوں یا ہامانیت کی سیسہ کاریوں کی بجائے جوہرِ ذاتی۔ قوتِ عمل اور اتباعِ آئین خداوندی کو معیارِ فضیلت قرار دیں۔

سندھ اور پنجاب کے حالیہ واقعات نے اس ضرورت کو اور بھی شدید بنا دیا ہے۔ افرادِ ملت یا اربابِ سیادت سے اگر غلطیاں ہوئیں تو اب اُن کی پردہ پوشی تعمیرِ ملت میں "گناہِ کبیرہ ہوگا"

غلطی گناہ کی بات نہیں جس سے شرمایا جائے۔ غلطی ایک انسان کے اختیار و ارادہ کی آئینہ دار ہے۔ پتھر کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اسی طرح فرشتہ سے بھی غلطی کا امکان نہیں۔ اسی لئے انہیں فیصلوں میں کوئی اختیار و ارادہ نہیں دیا گیا۔ زندہ قومیں اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کر کے آگے بڑھتی ہیں۔ تجربہ جو نوعِ انسانی کے تمام کسب و ہنر اور متاع و حاصل زندگی کی بنیاد ہے غلطیوں سے حاصل کردہ اسباق کا مجموعہ ہے۔

گزشتہ دس سالہ سیاست اور قائد اعظمؒ کی قیادت پر نگاہ ڈالئے تو نظر آئیگا کہ یہ سیاست ایک ندی کی پرسکوت روانیوں کی طرح ہموار اور معتدل رہی ہے۔ نہ اس میں آتش یا جذبات کی تلاطم خیزیاں تھیں کہ جن سے اس کی موجیں اُٹھ کر خود اس ساحل کے ٹکڑے کر دیں۔ جس کی آغوش میں انہوں نے پرورش

پائی ہو اور نہ ایسا جمود و تعطل کہ وہ جوئے رواں ایک جوہڑ بن کر رہ جائے نہ اس میں میکیاولی انداز سیاست کی روباہ بازیاں تھیں اور نہ مشرقی مہاتمائیت کی چولہ تبدیلیاں۔" سہ

نہ اس میں عصر رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہد کہن کے فسانہ و افسوں

سیاست کیا' ایک کشتی رواں تھی جو ہر موج سرکش سے بچتی' ہر پرخطر چٹان سے کتراتی' خاموشی سے سینۂ آب کو چیرتی' ایک بطِ سیمیں کی طرح متعین منزل کی طرف بایں لحظہ بڑھے چلی جا رہی تھی کہ مسافروں کو کہیں ہچکولا تک نہیں لگتا تھا۔ کوہ کیبنٹ مشن کے پاس سے گزرتے ہوئے اس میں کچھ تنزلزل سا محسوس ہوا۔ لیکن یہ جلد ہی سنبھل گئی۔ حتےّ کہ یہ مونٹ بیٹن کی پُرشور وادیوں میں پہنچ گئی۔ جہاں پہلی مرتبہ اس کے بادبانوں میں تھرتھراہٹ کے آثار دکھائی دئے۔

ہمیں اس حقیقت کا کشادہ ظرفی سے اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہماری سیاست ہند۔ مونٹ بیٹن کی مکارانہ سازش کی حریف نہیں ہو سکی۔ ہم نے چرچل اور اٹیلی۔ ویول اور پتھک لارنس تک کی شاطرانہ چالوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن مونٹ بیٹن کا منافقانہ نقاب بہت دبیز ثابت ہوا یا یوں کہئے کہ جب تک ہماری سیاست اصول و نظریات تک محدود رہی۔ ہم نہایت سلامتی اور متانت سے ہر مخالف قوت کا مقابلہ کرتے رہے لیکن جب معاملہ اس کی عملی کا آیا تو اس میں ہم مات کھا گئے سہ

مقامِ ہوش سے آساں گذر گیا اقبال
مقامِ شوق میں کھو یا گیا یہ دیوانہ

مونٹ بیٹن، ہندو کی اس سازش کا خمیر ایک لفظ "عجلت" میں تھا۔ تقسیم ہند میں ہندو، کو ایک چلی چلائی دکان (RUNNING CONCEYN) مل رہی تھی۔ ہر چیز اُس کے قبضہ میں تھی۔ وہ حکومت کی مسندوں پر براجمان تھا۔ جو کچھ اب آئینی طور پر اس کی طرف منتقل ہونے والا تھا۔ عملاً پہلے ہی اُس کے پاس موجود تھا۔ اُسے عجلت سے گھبرانے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ اس لئے اس نے فوراً پنڈرہ گست کی شرط "غیر مؤجل" کو مان لیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو ایک نئی حکومت قائم کرنی تھی۔ اور یہ ناممکن تھا جب تک وہ سب کچھ اُن کے قبضہ میں نہ آجاتا جو ان کے حصہ میں آنا تھا۔ اور جو اُس وقت تک عملاً ہندو کے قبضہ تھا۔ اس لئے اُن کے حق میں اس قدر تعجیل مرگِ مفاجات تھی۔

ہماری پہلی غلطی یہ تھی کہ ہم نے اس تعجیلی کارروائی پر صاد کیا۔ اس کے بعد جس انداز سے مونٹ بیٹن نے پھڑ پھڑاہٹ اور گڑ گڑاہٹ پیدا کی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس مدتِ قلیل میں مسلمانوں کو اس قدر بدحواس کر دینا چاہتا تھا کہ تقسیم کے متعلق اُن سے کچھ بن ہی نہ پڑے اور انہیں محض کاغذی ڈگری لے کر، اپنے علاقہ کی طرف منتقل ہو جانا پڑے۔ ہم اس فریب کا شکار ہو گئے۔ اس کے بعد کے تمام نتائج اسی کے مآل و عواقب تھے۔ جب ہم علیحدگی کا اُصول مان چکے تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی عملی تنفیذ میں اس قدر حواس گم کر دینے والی عجلت سے کام لیا جاتا۔ ——— یہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا اور جون ۱۹۴۸ء تک مکمل ہو جاتا۔ میدانِ مبارزت

میں دشمن کی سب سے بڑی چال یہ ہوتی ہے کہ فریقِ مقابل کے اوسان خطا کر دیتے جائیں
جن نگاہوں نے گزشتہ جون جولائی (۱۹۴۷) کا منظر دیکھا ہے۔ وہ اس پر شاہد ہیں
کہ ہمارے اربابِ نظم و نسق کس قدر افراتفری میں تھے۔ اور پندرہ اگست کی تاریخ
اُن کے پیچھے اس طرح پڑی تھی۔ جس طرح دریا کے کنارے بسنے والوں سے جب کہہ
دیا جائے کہ شام کو سیلاب آئے گا۔ تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ، حواس باختہ، سراسیمہ
و ہوش گم کردہ۔ کچی پکی سمیٹ کر اٹھ بھاگتے ہیں اور اس سراسیمگی اور حواس باختگی میں
جو کچھ پیٹھ پر لاد سکیں اُسے غنیمت سمجھ کر جان بچا کر وقتِ معین سے پہلے چل نکلتے ہیں
یہ سیلاب کا چھلاوہ مونٹ بیٹن کی فکر فسوں ساز کی اختراع تھا۔ جس میں وہ بڑا
کامیاب نکلا۔

ہماری دوسری غلطی یہ تھی کہ ہم نے بلا تعیین حدود، پاکستان کو تسلیم کر لیا
ذرا غور کیجئے ہم نے ایک جداگانہ حکومت تو قائم کر لی۔ لیکن اس کا کچھ
فیصلہ ہی نہ کیا کہ اس حکومت کی حدود کیا ہوں گی۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے
انگریز پر بھروسہ کیا اور اس نے ہم سے بدعہدی کی۔ لیکن سوال یہ ہے
کہ انگریز اس قدر قابلِ اعتماد تھا ہی کب، جو اس پر اس درجہ بھروسہ کیا جاتا۔
اور پھر وہ بھی اس حد تک کہ اس کے فیصلے کے رد و قبول کے حق سے بھی اپنے
آپ کو محروم کر لیا جاتا؟ حدود کا مسئلہ کوئی جزئی یا فرعی مسئلہ نہ تھا۔ وہ
بنیادی اور اُصولی مسئلہ تھا۔ ہمارا مطالبہ یہ کبھی نہ تھا کہ ہندوستان کے جتنے
گوشے میں ہندو یا انگریز چاہے علیحدہ حکومت کا حق دیدے۔ ہمارا مطالبہ شروع
ہی سے یہ تھا کہ جن علاقوں میں ہم اکثریت میں ہیں انہیں ہمارے حوالے کر دیا

جائے۔ ان علاقوں کی تعیین کے متعلق یا تو وہ ہمارا اُصول تسلیم کرتے اور اگر وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ تو پھر کھُلے بندوں اس کا فیصلہ ہوتا۔ بہر حال کسی صورت میں فیصلہ ہوتا۔ یہ فیصلہ تقسیم سے پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ تاکہ مشکوک یا متنازعہ فیہ علاقے کے مسلمانوں کو علم ہوتا کہ ان کا مستقبل کن سے وابستۂ داماں ہے۔ کس قدر قیامت تھی کہ گورداسپور، جالندھر، فیروزپور، وغیرہ کے مسلمان حصول آزادی پر جشن مسرت منا رہے تھے کہ ان پر مرگ ناگہانی کی طرح یہ بجلی آسمان سے آگری کہ وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو قوم کی غلامی میں شکنجے میں جکڑ دئے گئے ہیں۔ یہ فیصلہ اس قدر ناگہانی اور غیر متوقع تھا کہ وہ نفسیاتی طور پر اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہی نہیں تھے۔ ہم پر جس قدر قیامتیں بعد میں ٹوٹیں اُن کا ایک بنیادی سبب بلا تعیین حدود پاکستان کا قیام تھا۔

ہماری تیسری بنیادی غلطی یہ تھی کہ ہم نے افواج وعساکر اور سامان وآلاتِ حرب وضرب کی تقسیم کے بغیر جُداگانہ سلطنت قائم کر لی۔ یوں تو شروع ہی سے اصولِ جہانبانی اسی انداز کا چلا آ رہا ہے کہ حکومت کی بنیاد واساس قوت پر ہوتی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں اس مسئلہ نے اور بھی اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ ہر جنگ کے بعد، سب سے پہلا سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ مختلف اقوام کے پاس کس کس تناسب سے جیوش وعساکر اور سامانِ جنگ ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد ہر قوم کی نگۂ احتساب دوسری قوم کی عسکری قوتوں پر رہتی ہے۔ جو قوم اس باب میں ذرا چوک جاتی ہے۔ فوراً دبوچ لی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اندر چھوٹی چھوٹی ریاستیں جنہیں کبھی

حق خود اختیاری حاصل نہیں ہؤا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ فوجی قوت رکھتی ہیں لیکن ہم نے کرۂ ارض پر پانچویں بڑی سلطنت قائم کی اور اپنی عسکری قوت فریق مخالف کے قبضہ میں چھوڑ دی۔ ہندو کو معلوم تھا کہ پاکستان کے پاس اپنی حدود کی محافظت کے لئے بھی کافی سامان اور قوت نہیں ہے۔ اس لئے وہ بات بات پر ہمارے سامنے آستین چڑھاتا تھا۔ ہماری یہی بنیادی کمزوری تھی۔ جس کی وجہ سے ہمیں اس قدر بڑی نقصان اٹھانا پڑا۔ اور یہ بھی درحقیقت اسی عجلت کا نتیجہ تھا۔ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

(۹)

ان بنیادی غلطیوں کے علاوہ نظم و نسق حکومت کی طرف آیئے تو اب پاکستان میں ایک بالکل نیا نظامِ حکومت قائم کر کے اُسے رواں کرنا تھا۔ انگریز کے زمانے میں دوسرا دماغ سوچتا تھا اور وہ ہمارے اہلکاروں کے ہاتھوں کو چلاتا سوچنے کی ذمہ داری دماغ پر ہوتی اور نتائج کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ——— اب "اپنے دماغ" سے اپنے اندازہ پر نتائج کی ذمہ داری کے ساتھ آگے بڑھنا تھا۔ جو اُن "بے دماغ" ہاتھوں کے لئے ناممکن تھا۔ جن کی پوری زندگیاں "کلرکی" میں گزری تھیں ——— ایسے ہی لوگوں کا ہجوم و انبوہ اس طرح پاکستان کو روانہ ہؤا جیسے تماشائی میلہ دیکھنے جاتے ہیں۔

پاکستان پہنچ کر دفتر کے لئے جگہ نہیں، رہنے کے لئے مکان نہیں، بیٹھنے لئے میز کرسی نہیں۔ حسب سابق کام کرنے کے لئے پچھلا ریکارڈ نہیں۔ از خود

کام کرنے والی پوری مشینری نہیں، دلوں میں ولولہ کار نہیں۔ ملّت کے لئے ذاتی مفاد قربان کرنے کی ہمّت نہیں۔

ہر شخص یہاں پہنچ کر "میرا حصّہ" پکارنے لگا، پاکستان کیا بنا۔ انگریز کے بابوؤں کے نام لاٹری نکل آئی۔ جو انگریز کے ہاں کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ یہاں معتبر بن گئے۔

پاکستان میں "ملّت" کے جانبازوں اور غریب مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا اور یہاں عہدوں کی شیرینی بٹ رہی تھی۔

تجارتی ادارے ہندوؤں کے چلے جانے سے سُونے پڑے تھے۔ اس کام کا نہ تو سلیقہ تھا اور نہ ہمّت تھی — زندگی کا جو فوارہ حصُولِ آزادی کے ساتھ اعماقِ قلوب سے پھُوٹ نکلنا چاہئے تھا اسے "غلامانہ" عادات نے بند کر دیا۔ اور ہر طرف "حقوق" "حقوق" کے نعرے بلند ہوئے۔ کسی نے نہ سوچا کہ پاکستان ہماری اپنی حکومت ہے۔ حقوق سے پہلے فرائض ہمارے اپنے ہیں۔

سرکاری اہلکاروں کے علاوہ ہمارے قومی لیڈر بھی ایک طرف تماشابن گئے، اُن کو اپنی ساری ذمّہ داریاں بھُول گئیں اور وہ پر لگا کر راہ فرار کے راہی ہو گئے — اعداد و شمار (CENSUS) کو دیکھئے کہ عوام کس قدر مارے گئے۔ اُن کے خاندان کس قدر تباہ و برباد ہوئے۔ اُن کی عزّت و ناموس کس درجہ برباد ہوئی اور پھر دیکھئے راہنمایان قوم میں سے کتنوں کو خراش بھی آئی۔ کتنوں کے خاندانوں کو ایک وقت کا فاقہ بھی

کاٹنا پڑا۔ کتنوں کی آبرو پر ایک حرف بھی آیا۔

سوچئے کہ یہ سوچنے کی باتیں ہیں ـــــ اگر ان لیڈروں کے دل میں ذرا بھی قوم کا درد ہوتا تو ان خطرت کے آگ میں خود جل کر راکھ ہو جاتے۔ لیکن عوام پر آنچ نہ آنے دیتے۔ یہ سب کو محفوظ نکال کر پھر آخر میں خود باہر نکلتے۔ یہ مرنے والوں کے بیچ میں کھڑے ہوتے اور اگر مرنا بھی پڑتا تو سب کے ساتھ مرتے۔ پھر دیکھتے کہ اول تو اُن کی قوم کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا اور اگر ایسا ہی وقت آجاتا تو وُہ موت سب کے لئے کس قدر سکون و اطمینان کی موت ہوتی اور ان کی قوم کا وقار کس قدر بلند ہو جاتا۔

تقسیم ہند کے وقت تو یہ غلطیاں ہوئیں۔ اس کے بعد قائد اعظمؒ کے گرد بھی یہی دُودھ پینے والے مجنوں جمع ہو گئے۔ قائد اعظمؒ ہجوم میں کہاں کہاں نگاہ رکھتے۔ جُوں جُوں فرصت ملی انہوں نے عیسٰے اور کھوڑو جیسے لوگوں کو گرفت میں لیا۔ لیکن کئی "ممدوٹ" اور "دولتانے" بدستور گلچھرے اڑاتے رہے۔ بابائے ملت نے آنکھیں بند کیں تو غداروں کے پَو بارے ہو گئے۔

ـــــ (۱۰) ـــــ

ہمارا فرض:۔

اب حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ خود غرض افراد پر کڑی گرفت کرے پنجاب اور سندھ میں گورنر جنرل کا احتساب ایک نیک فال ہے لیکن "عوام" کا اعتماد حاصل کرنا اصل کام ہے۔

آج ضرورت ہے کہ عوام کو اُن مصالح و مقاصد پس پردہ سے آگاہ

کیا جائے۔ جن کی وجہ سے آج تک اس قماش کے لیڈروں کو برداشت کیا گیا۔ اور اب نئے انتخابات میں ملت کو صلاحیت اور عمل کی بنا پر آگے بڑھنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

نفسیاتی طور پر قوم کا اطمینان استحکام حکومت کے لئے بڑی ضروری چیز ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض راز ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں عوام پر افشاء نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس قسم کی پردہ داری حالتِ جنگ تک محدود ہوتی ہے۔ جنگ (یا اس قسم کے واقعات کے بعد) یہ راز راز نہیں رہتے۔ اس وقت ان مصالح کا اخفاء قوم کے تحت الشعور میں عدم اعتماد کی ایک پھانس بن کر کھٹکتا رہتا ہے۔ اور علم نفسیات کے ماہرین جانتے ہیں۔ کہ یہی پھانس بڑے بڑے اہم انقلابات کا موجب بن جاتی ہے۔ غیروں کی حکومت محکوموں کو اپنے مصالح و مقاصد کا رازدار نہیں بناتی۔ اس عدم اعتماد کی پھانس اپنے استبدادی حربوں سے دباتی رہتی ہے۔ یہی دبائے ہوئے جذبات ایک دن اُس حکومت کے خلاف ابھرتے ہیں۔ اسی کا نام انقلابی روح ہوتا ہے۔

اپنی حکومت ہمیشہ اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرتی ہے اور یہی اعتماد قوم اس کی بیش بہا متاع ہوتا ہے۔ جن حضرات کی انگلیاں نبضِ ملت پر ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت ہماری حکومت کو چاہئے کہ وہ قوم کو اپنا رازدار بنائے اور اس طرح اُن کا اعتماد حاصل کر کے اس خلیج کو جلد از جلد پُر کرے جو اُن کے اور قوم کے درمیان حائل ہو رہی ہے۔ اس

اس کا بہترین ذریعہ قومی پارلیمان حزب مخالف کا وجود ہوتا ہے۔ جو قوم کے جذبات کی ترجمانی کر کے قوم کے تحت الشعور میں پھانس پیدا نہیں ہونے دیتا۔ ہمارے ہاں ابھی تک حزب مخالف وجود میں نہیں آیا جب تک ایسا نہ ہو۔ ارباب حکومت کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے ذرائع سے قوم کو اپنے مصالح میں شریک راز کرے اور اس طرح اس بُعد و مغائرت کو دُور کر دے جو عدم اعتماد کا فطری نتیجہ ہے۔ یہاں تک اُن غلطیوں کے متعلق حکومت کی طرف سے صفائی پیش کرنے کا تعلق ہے۔ باقی رہے اُن کے نتائج و عواقب تو جو باتیں فوری توجہ کے قابل ہیں۔ اُن کی فوری اصلاح کے لئے قدم اٹھایا جائے۔ یعنی منصوبہ بندی کی سکیموں کو تمام کر کے قوم میں اعتماد اور بھروسہ پیدا کیا جائے۔

یہ باتیں فوری توجہ کی ہیں :-

(۱) ناقصلہ عملہ کے مسئلہ کا فوری حل۔

(۲) بے روزگاروں کے ذرائع معاش کے لئے ملازمت کے علاوہ دوسری راہوں کا کشاد۔

(۳) حکومت کی مشنری سے غدار منافقین کا استیصال۔

(۴) وہ لوگ جنہوں نے گزشتہ حوادث و نوازل میں اپنے مقامات اور قوم کو چھوڑ کر اپنی حفاظت کی فکر کی اور قوم کے مصائب میں شریک ہونے کی بجائے قومی امانتوں کو ہڑپ کر گئے۔ اُن کے حالات کا محاسبہ کر کے اُن کو سزا دی جائے اور قومی ہمدردوں کی حوصلہ افزائی

کی جائے۔

(۵) قومی پارلیمان میں حزب مخالف کی تشکیل اور قوم کے اعتمادِ عامہ کا حصول۔

(۶) تنقید صحیحہ اور احتساب صالحہ کی جرأت آفرینی اور اُس سے سبق آموزی۔

اگر ارباب حکومت اِن باتوں کو درخورِ اعتناء سمجھیں تو ہمیں اُمید ہے کہ اس سے قوم کو محسوس ہونے لگ جائے گا کہ ہم محکوم نہیں ہیں اور اس طرح پاکستان کے قصرِ مشید کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں۔

کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت وفرعها فی السماء

دوسری طرف قوم کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی پریشانیوں میں اس حقیقت کو ایک لمحہ کے لئے نظر انداز نہ ہونے دے کہ مملکت پاکستان اُن کی اپنی مملکت ہے۔ اُن سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ جس سے اس مملکت کی فلاح و بقا کو کسی قسم کا نقصان پہنچے کہ یہ نقصان اُن کا اپنا نقصان ہوگا۔ کسی غیر کا نقصان نہیں ہوگا۔

مقصد پیش نظر اصلاح و تعمیر ہونا چاہئے نہ کہ افساد و تخریب۔

و فیها بصائر للناس

دمِ زندگی

از داعی الی الحق

ایک غریب و بیاپی طالب علم آٹھویں جماعت کے بعد شہر میں آتا ہے اللہ کے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں حالات اس کے خلاف ہیں اپنے اور بیگانے اس کے خلاف ہیں سماج اُسے دبانا چاہتی ہے وہ ان تمام حالات سے جنگ کرتا ہے اور **قرآنِ عزیز کی پناہ میں** بے نیازانہ بڑھتا جاتا ہے لوگ اُسے **دیوانہ** کہتے ہیں وہ دیوانگی میں فرزانگی کا رنگ پیدا کر لیتا ہے ایم - اے کرتا ہے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے غیر معمولی طور پر کامیاب ہو جاتا ہے اس طالب علم کی داستانِ حیات اس کی کامیابی کے راز اس کے رُمان اس کے خطوطِ محبت اس کی تقریریں اور خطبے کتنے دلچسپ ہونگے جبکہ وہ ساری مشکلات کو عبور کر کے ایک کامیاب انسان کی حیثیت میں خود اپنی قلم سے اپنی داستان لکھے ۔

دمِ زندگی اسی داستان کا نام ہے!

پہلا باب

فیصلہ کن تاریخی مقام

داعی الی الحق

منزلِ راہ رواں دور بھی ہے دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے (اقبالؒ)

(۱)

مقدمہ میں حالات حاضرہ کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھئے، اور تمام وقتی بحثوں، جھگڑوں اور نزاعوں سے آنکھیں بند کر کے صرف تاریخ اسلام سے پوچھئے کہ گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سال میں جب کبھی مسلمان خطروں میں گھر کے وہ کس طرح بچے ہیں۔

عقل و بحث سے یا عشق و ایمان سے؟

طاؤس و رباب سے یا تیغ و سنان سے؟

انھیں سپاہیوں اور غازیوں نے بچایا ہے یا فلسفیوں اور مناظروں نے؟ تلوار سے ملّت کی حفاظت ہوئی ہے یا قلم سے؟

اگر قلم نے کبھی کامیابی حاصل بھی کی تو کیا وہ بغیر تلوار (قوت) کے قائم رہ سکی؟ اسلام کے لیے دلیل راہ فولاد رہا، یا پنسل کا سُرمہ؟ اگر جواب "عشق و ایمان" "تیغ و سنان" اور "تلوار و فولاد" ہے تو آئیے پاکستان کی حفاظت کے لیے مردِ میدان بن کر آگے بڑھیں۔ سیاست کے اُس قدیم تصوّر کو جو غلامی کا خاصہ تھا یک قلم بدل دیں۔ آئینی دور ختم ہوا۔ اب تعمیری اور انقلابی دور ہے!

آئینی دور کے رہبر قائد اعظم رحؒ تھے، انہوں نے یکہ و تنہا میدان مار لیا۔ انقلاب کی ذمہ داری ساری ملّت پر ہے اس لیے اب منفی سیاست، "حقوق مانگنے"

اور ہاتھ پھیلانے والی سیاست کی بجائے مثبت سیاست۔ فرائض ادا کرنے؛ اور خاموش اطاعت و قوت کے ساتھ آگے بڑھنے والی سیاست کا دور شروع کریں۔

ہم میں سے ہر ایک پاکستانی اپنی اپنی جگہ حالات کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے۔ کہ وہ پاکستان اور ملّت کے لئے کیا کر سکتا ہے۔

ہم ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے اور بارہ صدیوں سے ہندوؤں کے منشا کے خلاف یہاں جمے ہوئے ہیں۔ ہم اتنی مدت تک اس ملک میں محفوظ رہے؟

اس کی وجوہات تین ہیں:۔

۱۔ داخلۂ ہندوستان کے وقت ہم میں کچھ ایسے اوصاف و امتیازات تھے۔ جو ہندوؤں میں نہیں تھے، ابتدائی دور میں ہم اپنے انہیں امتیازات کے باعث یہاں محفوظ رہے۔ اس وقت ہمارا سب سے بڑا امتیازی وصف یہ تھا کہ ہم میں جہاد اور تبلیغ کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔

۲۔ داخلہ ہندوستان کے ساتھ ہی ہم حکمران بن گئے۔ بعد کے زمانوں میں اقتدار حکومت کی وجہ سے ہم یہاں محفوظ رہے۔

۳۔ حکومت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد دو چیزیں ہماری حفاظت کا ذریعہ تھیں۔ اوّل یہ کہ ہماری تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی تھی۔ دوم یہ کہ انگریزی حکومت کا امن و انتظام قائم ہو گیا۔ اور اس نے سکھوں، راجپوتوں، اور مرہٹوں کی ان جیرہ دستیوں کو ختم کر ڈالا جو مسلمانوں پر ہو رہی تھیں

مختصر یہ کہ ہم جہاد کی طاقت سے حکمران بنے، ہم تبلیغ کی طاقت سے کئی کروڑ ہوئے۔ مگر جب وہ ایمان، وہ اخلاق اور وہ اعمال ہم میں باقی نہ رہے تو انہیں کمزور، پست، بزدل اور شکست خوردہ لوگوں نے جو ۵۰۰ سال سے ہماری غلامی کر رہے تھے، ہم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سرحد پنجاب راجپوتانہ اور خاندیش میں ہمارے خون کے دریا بہنے لگے۔ اسی دوران میں یہاں انگریز آ پہنچے۔ انھیں اپنی بقا کے لئے ہندوستان میں ایک کی بجائے دو قوموں کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے روائتی بندر کی طرح ترازو کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر دونوں پلڑوں میں یہاں کی دو قومیں رکھ لیں۔ اور انہیں لڑانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ دو سو سال تک جاری رہا۔

(۲)

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک تقسیم ہو گیا، اور اس تقسیم اور آزادی کے بل سے

۱۔ ہندو اور انگریز کی جنگ، بالکل ختم ہو گئی۔

۲۔ ہندو قوم کی تمام طاقتیں انگریز کے مقابلہ سے ہٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئیں۔

۳۔ مسلمانانِ ہندوستان اب پھر اسی مہلک مقام پر آ گئے۔ جہاں وہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد تھے، ملک کے چند مختصر علاقوں میں مسلمانوں کا اقتدار ہے اور باقی تمام ملک میں پھر وہی مرہٹہ گردی کا دور شروع ہو گیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملک تقسیم نہ ہوتا تو یہ مصائب نہ آتے۔ ایسے لوگ

نادان ہیں یا خود غرض — اس وقت مسلمانوں پر جو مصیبت آرہی ہے۔ وہ تقسیم ملک کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس امر کا نتیجہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے "اصول" اور امتیازات کھو بیٹھے ہیں، اور صحیح مسلمان نہیں رہے۔ مسلمان اگر صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو نہ ملک کا ایک ہونا اُن کو مار سکتا ہے اور نہ دو ہونا۔ اب تو معاملہ مردم شماری کے مسلمانوں کا ہے اس مردم شماری کی قوم کو سامنے رکھتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ اگر وزارتی مشن کی سکیم کے مطابق تمام ملک ایک ہوتا تو دوسرے ہی دن مشرقی پنجاب۔ دہلی۔ راجپوتانہ اور کشمیر وغیرہ میں مسلمانوں کا قتل عام شروع نہ ہو سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ قتل عام ہمیشہ کے لئے معاف ہو جاتا میرے سادہ لوح مسلمان بھائی اچھی طرح سن لیں سمجھ لیں اور نوٹ کر لیں، کہ ہندو فطرت کی طرف سے مسلمان قوم کے قتل عام کا فتویٰ۔ اب کسی وقت اور کسی حال میں بھی معاف ہونے والا نہیں ہے۔ اگر ملک تقسیم نہ ہوتا تو قتل عام کا عمل آہستہ آہستہ قرنوں یا صدیوں میں مکمل ہوتا، اب ملک تقسیم ہو گیا ہے تو اس عمل کو مہینوں اور سالوں میں مکمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ عدم تقسیم کی صورت میں مسلمان قلم اور نشتر سے قتل کئے جاتے۔ اب وقوع تقسیم کے بعد قطعی فیصلہ کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کے لئے مشین گنیں، گیسیں، اور ایٹم بم تیار کئے جا رہے ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے پہلی تیاریوں کو آزمایا جا رہا ہے۔ اس برعظیم ہند و پاکستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لئے میری منادی یہ ہے کہ خدارا خوش فہمیاں ختم کر دو، اور ہر قیمت پر اپنی مدافعت کے لئے تیار اور کمربستہ ہو جاؤ۔

(۳)

اس بحث سے مجھے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اب امت برِ عظیم کی تقدیر
نہرو، آزاد یا پٹیل کے ہاتھ میں نہیں رہی۔ اب فطرت اور تاریخ نے خود آگے
بڑھ کر فیصلے کا قلم اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ فطرت ایک نیا فیصلہ لکھنا چاہتی
ہے۔ اب تاریخ ایک نیا ورق الٹنا چاہتی ہے۔ آپ نہرو اور پٹیل کا قلم پکڑ سکتے
ہیں۔ انھیں خوش بھی کر سکتے ہیں۔ مگر آپ فطرت کا قلم نہیں پکڑ سکتے۔ آپ تاریخ
کی گردش کو خوشامد سے نہیں صرف مقابلہ ہی سے بدل سکتے ہیں۔ ہندو فطرت
کے تاریخی مظاہروں کی ہزار سالہ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ بدھ دھرم کے پیرو
۱۷ سو سال تک اس ملک میں رہے۔ اس کے بعد ہندو فطرت نے اُن کے خلاف ایک
فیصلہ کن تاریخی مظاہرہ کیا۔ بدھ قوم مٹ گئی اور اُس کے بعد یہاں کی تاریخ
کا نیا دور شروع ہو گیا۔ اس کے بعد جینیوں کے خلاف، ہُنوں کے خلاف، یونانیوں
کے خلاف، مغلیہ سلطنت کے خلاف، انگریزی سلطنت کے خلاف، ہندو فطرت
کے ایسے ہی فیصلہ کن تاریخی مظاہرے ہوئے۔ اور ہر مرتبہ تاریخ ہندوستان کا ایک
نیا ورق پلٹا گیا۔ اب ہندو فطرت اس ملک میں ایک آخری فیصلہ کُن مظاہرہ کرنا
چاہتی ہے۔ اور یہ مظاہرہ وجودِ اسلام کے خلاف ہے۔ گاندھی۔ نہرو۔ پٹیل
اس مظاہرے کا آلہ کار تو بن سکتے ہیں۔ مگر اس طوفان کو روک نہیں سکتے۔ آپ
صرف اتنا ہی سمجھئے کہ فطرت جب سورج کو نکالتی ہے تو اُسے کون روک سکتا ہے
فطرت جب برسات کے بادل لاتی ہے تو انہیں کون پیچھے موڑ سکتا ہے۔ جس طرح
فطرتِ خداوندی ہواؤں کی روانی پہ موسموں کی تبدیلی پر، سورج اور چاند کے

طلوع و غروب پر تسلط ہے۔ اس طرح وہ قوموں اور ملکوں کی تاریخ پر بھی مسلط ہے۔ بیماری کے دوروں کی طرح ملکوں اور قوموں کی اجتماعی تاریخ میں بھی وقت وقت پر دورے پڑا کرتے ہیں۔ انقلاب ہوا کرتے ہیں۔ اور زلزلے آیا کرتے ہیں۔ یہ زلزلے صلح کانفرنسوں سے نہیں رکا کرتے بلکہ تاریخ اقوام کا یہ نازک ترین وقت

"زمانہ با تو نسازد، تو با زمانہ ستیز"

ہی کی تعمیل کا وقت ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلیں میرے اس اعلان کو سن لیں کہ اب ہندو فطرت اور تاریخ صدہا سال کے گہرے حالات و اسباب کی وجہ سے ایک ایسے نقطے پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں وہ اب بدھوں، جینیوں، ہنوں اور منخفیوں کی طرح اسلام "سے ضرور۔ ضرور۔ ضرور۔ ضرور ایک آخری ٹکر لے گی، گاندھی اس طوفان کی راہ میں حائل ہوا تو وہ قتل کر دیا گیا۔ اگر نہرو حائل ہوگا تو انتہا پسند ہندو اس کے جسم کو چیر دیں گے، اور دونوں پھانکیں دہلی کی چاندنی چوک میں لٹکا دیں گے،

اے غافلو! تم دیکھتے نہیں اس وقت ہندوستان کی زمین معجزات اگل رہی ہے۔ غور کرو۔ اس کائنات عالم کے کسی ایک شخص کے وہم میں یہ بات آسکتی تھی کہ مرکز دہلی کی عظیم ترین مسجدوں میں گنیش کی مورتیاں اور ہنومان کے بت رکھ دیئے جائیں گے؟

یہ بت رکھے گئے اور آپ دیکھ رہے ہیں۔

یہ ناقابل تصور انقلاب نہرو اور پٹیل کے حکم سے نہیں خود فطرت اور تاریخ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے راہنما عقل و تدبر کے پیغمبر

بھی بن جائیں تو وہ آنے والے طوفان کو صرف ملتوی کر سکتے ہیں۔ منسوخ نہیں کر سکتے۔
اب صرف دو ہی چیزیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غیر ملکی طاقت کھڑی ہو اور وہ خون بہا کر ہندو فطرت کا جوش ٹھنڈا کر دے۔ اور دوم یہ کہ پاکستان کے شیر، اسلام کے مجاہد اور محمد مصطفےٰؐ کے فدائی اپنی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر نکلیں، اور محمدؒ غوری، بابر اور احمد شاہ ابدالی کی طرح تاریخ کا رُخ پھیر دیں۔ یہ مقصد نہیں کہ مسلمان پہل کریں، اور خود حملہ آور ہوں۔ اس وقت یہ چیز تو کسی صحیح الدماغ مسلمان کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتی، مقصد صرف یہ ہے، کہ مسلمان اپنی جگہ مدافعت اسلام کے لئے تیار ہوں اور اس طرح تیار ہوں، کہ قتل و غارت اور ظلم کے جس طوفان نے جونا گڑھ، مشرقی پنجاب۔ حیدر آباد۔ یو۔ پی۔ سی۔ پی اور بہار کے بعد اب کشمیر میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں وہ رُک جائے۔

آپ نے دیکھا کہ اس ملک میں چینیوں۔ بدھوں۔ ہنوں۔ سیتھینوں، یونانیوں مسلمانوں اور انگریزوں کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ مگر انتہائی عروج حاصل کرنے کے باوجود وہ سب ایک ایک کر کے مٹ گئیں۔ تاریخ کا اعلان ہے، کہ ان سب کی تباہی ایک ہی طریقے سے ہوئی ہے۔ ہمارے ہندو بھائی پہلے تو ایک قوم کے اقتدار کے بنیادی اسباب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر خود اپنے اندر جذب کرتے ہیں اس کی حرارت غریزی چھینتے ہیں اور اُسے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ جب یہ ہو چکتا ہے تو پھر سب اکٹھے ہو کر نہایت ہی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ اس پہ کھوکھلی قوم کو ضربیں اور ٹھوکریں لگاتے ہیں اور اُسے ختم کر دیتے ہیں یا ہندو بنا لیتے ہیں یا دھکیل کر ملک سے نکال دیتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ ہندو فطرت کا

کلہاڑا کسی قوم پر اس وقت چلتا ہے جب کہ وہ کھوکھلی ہو چکی ہو۔ یہیں سے ہمارا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ ہم مسلمانوں کے موجودہ خطرات و مصائب کی جڑ ہمارے وجود سے باہر نہیں بلکہ وجود کے اندر ہے۔ اگر ہم اسلامی اصولوں کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کے ظاہری اور باطنی خلا کو پُر کر کے ایک زندہ ٹھوس اور طاقتور حقیقت بن جائیں تو جبر و فطرت کا طوفان فی الفور پیچھے ہٹ جائے گا۔ اور علمبرداران طوفان کبھی اسلام کے فولادی ساحل سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ یہاں طاقت سے ہماری مراد ہے بقائے ملّت کے لئے جان دے دینے کی طاقت، زندگی کی راحت اور آرام چھوڑ کر موت کو لبیک کہنے کی طاقت اپنے اہل و عیال کی محبت، اپنے کاروبار، جائیدادوں اور ملازمتوں کو ملّت کے اجتماعی مفاد کے لئے مردانہ وار قربان کر دینے کی طاقت، ایمانی طاقت، مالی طاقت، مادی اور جسمانی طاقت، تنظیمی طاقت، بہترین جنگی ہتھیار اور بالاتر جنگی ساز و سامان۔

آخری بات یہ ہے کہ ہمارے مورچے میں جہاں جہاں بھی شگاف ہیں۔ وہ سب جلد از جلد پُر ہو جانے چاہئیں۔ پھر جنگ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو گی جبر و فطرت اپنا کانٹا بدل دے گی، اور اس کے علمبردار ہمارے چہروں کے تیور دیکھ کر ہی ہمارا تعاقب چھوڑ دیں گے۔

(۴)

میرے بھائیو! آپ کبھی دل اپنی دنیا سے الگ ہو کر اپنے در و دیوار سے اپنی ملّت کے مصائب پر گفت و شنید کریں۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ آپ کے

محلہ دار اپنے گھروں سے نکلنے کے لئے تیار نہیں تھے، اس واسطے ہندوؤں نے جوناگڑھ پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ آپ کے رئیس اور امیر اپنے زر و مال اور راحت و آرام کی قربانی نہیں دے سکتے تھے، اس لئے سکھوں نے بے فکر ہو کر مسلمانوں کی مسجدیں گرا دیں۔ چونکہ آپ کے وزیر اور گورنر رات اور دن عیش کرتے اور میٹھی نیند سوتے تھے۔ اس واسطے مشرقی پنجاب کے دس لاکھ غریبوں پر چھری چل گئی۔ چونکہ آپ کے تاجر ملازم، اور کسان، بندوق کندھے پر رکھ کر یلغار کے لئے نہیں اٹھے۔ اس لئے مسلمانوں کا سات سو سالہ مرکز تہذیب و تمدن۔ دہلی۔ بے چراغ ہو گیا۔ چونکہ آپ کے بھائی اور بیٹے نے کسی خطرے میں پڑنا گوارا نہ کیا۔ اس لئے آپ کی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و ناموس لٹ گئی۔ اگر آپ ہندوؤں اور سکھوں کو ہی ملامت کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کیجیے۔ لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اسوقت تک جو کچھ ہوا ہے وہ اس لئے ہوا ہے کہ ہمارا اپنا دل بیمار تھا۔ ہمارا ضمیر کمزور تھا، ہم اپنے بھائیوں کی آگ میں کودنے کے لئے تیار نہیں تھے، ہمارا اندر کھوکھلا ہے۔ ہم میں صحیح اسلامی احساس باقی نہیں رہا۔ ہم خود غرضیوں میں غرق ہیں۔ ہم میں جہاد کی آگ بجھ چکی ہے اور ہمارے دشمنوں کو یہ اچھی طرح یقین ہو چکا ہے کہ اگر ہمارا مشرقی پنجاب۔ دہلی۔ اور۔ راجپوتانہ، پٹیالہ، حیدر آباد اور کشمیر کی طرح سی۔ پی۔ بمبئی اور مدراس کے دس لاکھ مسلمان بھی شہید کر دیئے جائیں۔ تو پاکستان کے مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے کوئی بڑا اور سنجیدہ اقدام نہیں کریں گے۔ مختصر یہ کہ چونکہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود

بھی حزنہ میں نے اور آپ نے ابھی تک جان، مال اور اولاد کی بازی لگا تا نو درکنار اپنی معمولی تفریحات تک کو بھی نہیں چھوڑا اسواسطے ہمارے لاکھوں بھائی ذلّت و بے بسی کی موت مارے جارہے ہیں۔

رسول اللہ کی امّت کی حالت اس قدر قابل رحم کیوں ہوگئی؟ یہ سوال اگرچہ بڑا ہی تلخ ہے۔ مگر خدا کی قسم میں اس کا کورا اور پورا جواب دوں گا میں سب سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اسلام کا خدا سچا، اسلام کا رسول سچا۔ اسلام کا قران پاک اور اسلام کی شریعت بے داغ مسلمانوں کی موجودہ ذلّت و پستی میں ان بزرگ ہستیوں کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ غریب مسلمان سچے۔ مزدور سچے، کسان سچے، تانگہ بان سچے، قلی سچے اور وہ سب مسلمان سچے جن کے ہاتھوں میں چھالے ہیں، جن کے کپڑے میلے ہیں اور جن کے پاؤں ننگے ہیں خدا کی قسم، ہماری قوم کے موجودہ مصائب و مشکلات میں ان غریب مسلمانوں کی کوئی بھی ذمہ داری نہیں ہے۔ میں آخری بات یہ کہتا ہوں کہ ہم افسانہ نویس چور اور جعلساز ہم واعظ اور خطیب جھوٹے اور پاکھنڈی۔ ہم رئیس اور وزیر غافل اور خائن۔ ہم لیڈر اور راہ نما سیاہ دل اور مطلب پرست، راس کماری کے آخری کونے سے لے کر گلگت اور چترال کی برفانی چوٹیوں تک مسلمانوں کو جو جو کچھ نقصان پہنچا ہے اس کے لئے صرف ہم یعنی مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی راہنما ذمہ دار ہیں۔ جن کے کپڑے سفید ہیں مگر دل سیاہ ہیں۔ جن کی زبان پر اسلام ہے مگر سینے میں بغض۔ حسد، نفاق، ریا، غرض

شرک، عناد، جہل۔ کبر اور فریب بھرا پڑا ہے۔

اب مجھے قتل کر دو۔ اس لئے کہ آج میں نے مے خانے کا حق غصب کر لیا ہے۔ یعنی میں نے مسجد کے منبر سے وہ بات کہی ہے۔ جو مریدِ مے کدہ نے سولی پر کھڑے ہو کر کہی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان اور پاکستان کے عام مسلمانوں کی ہر کمزوری کے ذمہ دار مسلمانوں کے راہنما ہیں۔ مسلمانوں کے راہنما آرام طلب تھے، انھیں دیکھ کر عوام بھی آرام طلب ہو گئے۔ پاکستان کے حکّام لوٹ مار کرتے تھے، انھیں دیکھ کر عوام بھی لوٹ مار کرنے لگے۔ پہلے پاکستان کی پولیس نے ہاتھ رنگے۔ بعد میں عوام نے بھی اپنی پگڑی اتار لی۔ پہلے حکّام نے چکلوں کے لائسنس دیئے۔ بعد میں عوام بھی زہرہ بائی کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ جب تک وہ متبرک اور مقدس لوگ جو دوسروں کو وعظ سناتے ہیں، اپنے آپ کو وعظ نہ سنائیں گے۔ ہماری قوم تیار نہیں ہو سکتی۔

(۵)

۱۵ اگست کے بعد اس بدنصیب دیس کے اس قدر مسلمانوں کو لوٹا اور مارا گیا ہے، کہ اگر پتھر توڑے جاتے تو سلسلۂ ہائے کوہ میں کہرام مچ جاتا، اگر اتنے درخت کاٹے جاتے تو نخلستان رو رو کر بے حال ہو جاتا مگر آہ مغربی پنجاب کا مسلمان ابھی تک نہیں جاگا، ابھی تک اس کی آنکھیں مستیوں سے کھیل رہی ہیں۔ ابھی تک اس کی زبان نغموں میں گنگنا رہی ہے۔ ابھی تک اُس کے لبوں پر قہقہے لیٹ رہے ہیں،

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم نے قرآن کی فریاد نہیں سنی، کیا تم نے وہ خون نہیں دیکھا۔ جو اسلام کے زخموں سے ٹپک رہا ہے۔ آج مسجدوں کے وہ مینار کہاں ہیں جو آسمان سے باتیں کیا کرتے تھے؟ آج مشرقی پنجاب کی وہ عیدیں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ جن سے اس ملک کے شہر، دیہات اور وادیاں گونجا کرتی تھیں،

کیا تم نے نہیں سنا کہ تمہارے مؤذنوں کی اذانیں دردِ اسلام کی چیخیں بن گئی ہیں۔ اور وہ رسول اللہ کی بارگاہ میں تمہاری بے حسی اور غفلت کا ماتم کر رہی ہیں۔

میرے بھائیو! جاگو! اب تمہاری نیندوں کے دن بیت چکے ہیں۔ اُٹھو! تمہیں اسلام کی بے بسی اپنی امداد کے لئے بلا رہی ہے۔

اے مہاجرینِ اسلام! خالدِ سیف اللہ کی تلوار بن کر چمکو۔ سرہند اور اجمیر کی مقدس روحیں کفار کے نرغے میں ہیں۔

اے جوانانِ انصار! جہاد کا علم بلند کرو۔ اللہ کی مظلوم کتاب دہلی کے لال قلعہ سے، عالمگیر کی جامع مسجد سے، ہمایوں کے مقبرہ سے قطب مینار کی چوٹی سے فریاد کر رہی ہے۔ کہ دینِ مظلوم کی نصرت اور دستگیری کے لئے تم کب اپنے گھروں سے نکلو گے؟

جب سے آزاد پاکستان قائم ہوا ہے، ہمارے فرائض کی نزاکتیں اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے ہماری زندگی حیوانات کی زندگی کے مشابہ تھی، ہمارا کام صرف یہ تھا کہ جس طرح انگریز حکم دیں، اسکی

تعمیل کرتے چلے جائیں، انگریز ہمیں کھوتا تھا باندھتا تھا، چارہ دیتا تھا۔
شیر اور بھیڑیے کے حملوں سے بچاتا تھا۔ مگر اب یہ ساری ذمہ داریاں خود
ہم پر عائد ہوگئی ہیں۔ یاد رکھئے کہ اس وقت ہماری ایک ذرا سی غفلت
تمام مملکت کی بربادی اور بیشمار مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتی ہے
اب انگریز ہمارے محافظ نہیں ہیں۔ اب ہم اپنے محافظ آپ ہیں۔ اب
ہمیں بے فکرے لڑکوں کی طرح نہیں بلکہ دُور اندیش مُدبروں کی طرح اپنے
حال اور مستقبل کو سوچنا چاہیئے۔ انگریزی دَور میں ہم ۲۴ گھنٹے بھی مستِ خواب
رہ سکتے تھے، مگر اب ہماری پرغفلت کی نیندیں ختم ہوجانی چاہئیں۔ انگریزی
دَور میں ہم اپنی کمریں کھول کر بیٹھ بھی سکتے تھے، اور لیٹ بھی سکتے تھے۔ لیکن
اب اگر ہم نے کمریں کھول دیں۔ ہم بیٹھ گئے۔ ہم لیٹ گئے، تو پھر ہماری
حفاظت کون کرے گا۔؟

میں ہر ایک مسلمان سے کہتا ہوں کہ تمہاری ایک لمحہ کی غفلت پوری قوم
کی موت کے مترادف ہے۔ اب آپ کے لئے آنکھیں بند کرنا حرام ہے، سونا
حرام ہے، خوش فہمی، بے فکری اور بے احتیاطی کا حرف کہنا حرام ہے۔
اب آپ کا فرض ہے کہ اگر پتہ بھی ہلے تو آپ بندوق لے کر کھڑے ہو جائیں
اگر پٹاخہ بھی چلے تو آپ توپیں داغ دیں۔

آپ ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھیں، آپ احتیاط، تدبّر اور دُور اندیشی
کے پُتلے بن جائیں۔ جنگ ہو یا صلح آپ جنگ کے لئے تیار رہیں۔ خطرہ ہو
یا امن آپ مقابلہ کے لئے کمربستہ رہیں —— یہ اس لئے کہ غلام قوم کا فرد

اگر غلطی کرتا ہے تو وہ "معاف کیجئے" کر کر چھٹکارا پا لیتا ہے۔ مگر ایک آزاد قوم کا فرد اگر غلطی کرتا ہے۔ تو اُسے معافی نہیں ملتی، فطرت خود آگے بڑھ کر اس سے انتقام لیتی ہے۔ انگریزی دور میں انگریز افسر موجود تھے اور وہ آپ کی غلطیوں کی تلافی کر دیتے تھے، مگر اب فطرت کے عذاب اور دشمن کے انتقام کے سوا یہاں کوئی دوسری طاقت موجود نہیں ہے جو آپ کی غلطیوں کی اصلاح کرے۔ اب اگر ذرا بھی غفلت کرو گے تو طمانچہ کھاؤ گے، اگر ذرا بھی کمزوری دکھاؤ گے تو عذاب دریاں کی بجلیاں ٹوٹ پڑیں گی، یہ اس لئے کہ اب دنیا بھر کی قومیں گھات لگائے بیٹھی ہیں۔ تاکہ تمہاری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اور تمہاری وہ گردن جو ایک جال سے نکلی ہے دوسرے جال میں پھنسا دیں۔ مجھے بیحد افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان بھائی ابھی تک اپنی پرانی نزاکتوں، اور غلامانہ بے فکریوں میں مست و نازاں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی ایک لمبے عرصے تک وہ کم سن بچوں کی طرح ماں باپ کی کمائی پہ مزے اڑاتے رہیں گے۔

میرے عزیز نوجوانو! اب ایسا نہیں ہوگا۔ تم اگرچہ کمسن ہو، پھر بھی پاکستان کی تعمیر، حفاظت، تجارت، صنعت، نظم و نسق، تعلیم، اسلحہ سازی مدافعت اور مالیات کا تمام بوجھ تم پر ہے اگر تمہاری زندگی کا ایک بھی مورچہ کمزور رہ گیا تو وہیں سے تم پر گولہ باری شروع ہو جائے گی مشرقی پنجاب والوں نے یہ کہکر کہ پاکستان کی طرف سے آج کل ہی ہندوستان پر حملہ شروع ہو جائے گا۔ گذشتہ سال ہی اپنے تمام سرحدی اضلاع کو غیر مصافی آبادی سے خالی کرا لیا۔ اور مصافی آبادی کو ہر جہت تیار کیا۔

وہاں ۵۴ روپے میں رائفل دی۔ ۱۲ اسلحہ سازی کے کارخانے (جن میں ۱۲ لاکھ ۳۸ ہزار صنعتی ماہرین اور مزدور کام کرتے ہیں) جاری کیے۔ دولت صنعت۔ سائنس کے علاوہ اُن کا کوئلہ اور فولاد جنگی تیاریوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔

یاد رکھو! ان تیاریوں کا جواب نعروں سے نہیں دیا جا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ مسلمان جاگیں۔ وہ خود پہل نہ کریں۔ لیکن اپنی مدافعانہ تیاریوں سے ایک لمحہ غافل نہ ہوں۔

آج غفلت کے معنی ہیں موت !

آج جہاد کے معنی ہیں زندگی !!

دُوسرا باب

مُسلم لیگ اور عوام کی انقلابی حرکت

داعی الی الحق

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

(اقبالؒ)

(۱)

ہماری انقلابی حرکت سے بعض لوگ خائف ہیں۔ ان کے خیال میں بہتر صورت یہ ہے کہ ہم مسلم لیگ کی اصلاح کریں اور اس جماعت کے اندر رہ کر ہی نئے سیاسی تصور کو پیش کریں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے، کہ نئی "انقلابی حرکت" ملت میں انتشار کا موجب ہوگی۔

ایسے لوگ دورِ غلامی اور دورِ آزادی کے فرق کو نہیں سمجھتے انگریز کے عہد میں "ہمارا دماغ" ہمارا دماغ نہ تھا۔ ہمارے "عزائم" اپنے عزائم نہ تھے۔ اس لئے منفی سیاست میں "سوالیوں" کی قطار میں اگر "دستِ خلوص" پھیلا دیا جاتا تو خیرات محفوظ ہو جاتی۔ اسی لئے "قائدِاعظم" کے خلوص تدبر اور استقلال نے مسلم لیگ کو ہر دلعزیز اور مقبول بنا دیا تھا۔ یہ عزت و تکریم قیام پاکستان تک پورے جوبن پر رہی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کی ساکھ ختم ہونی شروع ہوئی۔ ہندوستان کے مسلمان "نواب" تن بتقدیر آل انڈیا مسلم لیگ سے مایوس ہیں۔ لیکن آل پاکستان لیگ کے نئے ناظم چودھری خلیق الزماں صاحب بھی جو ہندوستان سے بھاگ کر پاکستان کے مسلمانوں کی قسمت کے کھلاڑی بنے ہیں۔ زیادہ ہر دلعزیز نہ بن سکے۔

گذشتہ انتخابات نے صوبوں میں جو نئی جماعتیں تیار کیں وہ بھان متی کا کنبہ ہیں۔ اُن میں یا تو وہ افراد ہیں۔ جو اپنے موجودہ اجاروں اور حاصل شدہ اقتدار کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یا وہ افراد جو ان افراد کو بے دخل کر کے خود اُن پر تسلط جمانا چاہتے ہیں۔ یہ جماعت دوسروں کے اعمال کا محاسبہ کرتی ہے۔ لیکن عیب جوئی کی غرض سے اور اس نیت سے کہ ان کی کارگزاری میں سقم تلاش کر کے انہیں بدنام کیا جائے، اور اپنے لیئے راستہ صاف کیا جائے۔ کیوں کہ یہ راستہ ان کے لیئے بدستور کھلا ہے۔

مُسلم لیگ کا موقف حصول پاکستان تھا۔ اب جبکہ پاکستان حاصل ہو چکا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مُسلم لیگ کے عزائم و مقاصد کیا ہیں؟ بلکہ اس کا طریقِ کار لائحہ عمل کیا ہے۔ پاکستان مُسلم لیگ ایک نئی جماعت ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان کے خاکہ میں رنگ بھرے گی۔ لیکن اُس نے کبھی یہ بھی تو نہ بتایا کہ پاکستان کا خاکہ ہے کیا۔ یہ نہ بتانا کوئی معمولی بات نہیں اور اس سے اہم نتائج۔ خواندہ اور ناخواندہ۔ دونوں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثالاً پچھلے دنوں چودھری خلیق الزماں صاحب نے یہاں تک کہہ دیا تھا۔ کہ مسلم لیگ نے جماعتی حیثیت سے کبھی مسلمانوں سے اسلامی حکومت کے قیام کا وعدہ نہیں کیا۔ اگر یہ کچھ کہا جا سکتا ہے تو پاکستان کے خاکہ کی بے شمار توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ لہذا استحکام پاکستان وغیرہ قسم کی نظر فریب اصطلاحات مبہم ہیں۔ اور سیاست میں بال کی کھال اتارنے والے اپنے ہر قدم کو اس کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ ان حالات میں اشد ضروری تھا۔ کہ ایک سیاسی

جماعت ہونے کی حیثیت سے مسلم لیگ اپنا پیش نہاد اور طریق کار قوم کے سامنے رکھتی۔ مرکزی جماعت کی کمی کو صوبائی جماعتوں ۔ بلکہ بالفاظ صحیح تر افراد نے پورا کرنے کی سعی کی ہے۔ لیکن ایک تو اُن کی حیثیت قدرتی طور پر مقامی ہے ۔ دوسرے وہ دعاوی بہت بلند بانگ ہیں۔ اور غیر معمولی اہمیت اور حسین ابہام کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں عمومی اعتبار سے یہی کچھ کہا گیا ہے۔ ۔ پاکستان کا دفاع ہوگا، کشمیر کا دفاع ہوگا۔ فساد انتظام دور ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ یہ عنوانات خوبصورت ہیں لیکن الفاظ بکمال حسن و رعنائی و شکوہ حقیر سے حقیر عمل کا بدل نہیں ہو سکتے، عوام کی مشکلات حقیقی ہیں اور اقتضاءِ طبعی سے عبارت ہیں۔ خالی جیب و شکم الفاظ سے پُر نہیں ہو سکتے۔ نہ الفاظ سے تن ڈھانپا جا سکتا ہے ۔

پنجاب میں دولتانہ کے گیارہ نکات کتنے بلند تھے، لیکن وہ خوش ہے کہ ممدوٹ وزارت کا خاتمہ تو اُن حسین ارادوں کے اظہار سے ہوگیا۔ لیکن حال یہ ہے کہ آج نیازی صاحب اس لئے مجلس عاملہ سے مستعفی ہو رہے ہیں کہ دولتانہ نے جھوٹ بولا، اور غلط دعاوی سے مسلم لیگ کے وقار کو خاک میں ملا دیا۔ یہی حال سندھ کا ہے۔ اسی طرح سرحد کے متعلق پیر صاحب مانکی کے ارشادات غور کے قابل ہیں۔

عملاً قائدین لیگ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم رح کے لئے منفی سیاست میں صرف ہتھیار بن سکتے تھے ۔ اس لئے کہ اقدام عمل میں حضرت قائد کا خلوص اور دیانت ضامن ہوتے تھے

لیکن اب اُن کے بعد تو ان حضرات کو نہ ملّت کی مشکلات کا علم ہے اور نہ انھیں حل کرنے کی اہلیت ۔ ان کا کعبہ مقصود نہ صدارت ہے یا وزارت ، اور وہ ۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

کا مصداق ہیں ۔

(۲)

مسلم لیگ نے اپنے نام سے فائدہ اٹھا کر اپنے انتخابات کرلئے ہیں لیکن یہ فائدہ دراصل مسلم لیگ نے نہیں اٹھایا بلکہ ابنائے وقت نے مسلم لیگ کے نام کو اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کیا ہے ، اور جماعت اور ملّت دونوں کو بے وقوف بنایا ہے ۔ ناظم مسلم لیگ نے مطلقاً اس امر کی کوشش نہیں کی کہ نئی جماعت ناخواندہ عناصر سے پاک رہے یا شخصی کام جوئیوں کی آماجگاہ نہ بنے ۔ مسلم لیگ یقیناً اس کا خمیازہ بھگتے گی ۔ ہو سکتا ہے ۔ کہ کچھ وقت تک یہ محسوس نہ ہو کہ اس محاذ پہ کتنے تخریبی عناصر جمع ہو گئے ہیں ، لیکن دشمن کا ایک ہی وار پڑا ، تو دفاعی خط میں بیشمار شگاف پڑجائیں گے ، اسوقت مسلم لیگ کی صفوں میں کھلبلی مچ چکی ہے ۔ اور وہ جس پرانے زور پہ چلی آرہی ہے وہ اندرونی صلاحیت کے نہ ہونے اور نئی حقیقی توانائی نہ آنے سے ختم ہو رہا ہے ۔ ملّت اسلامیہ پاکستانیہ کو اب گذشتہ تجربات کی روشنی میں فوراً

یہ فیصلہ کرنا ہے کہ حکومت کے نااہل افراد اور لیگ کے ابن الوقتوں کے
ہوتے ہوئے استحکام پاکستان اور دفاعِ ملت کے لئے کیا قدم اٹھایا جائے
ملت چند سرمایہ داروں یا سیاسی چالبازوں کا نام نہیں "ملت" تو لاکھوں
دیہات میں پھیلے ہوئے بھوکے ننگے کسانوں، مزدوروں اور غریبوں پر مشتمل
ہے جو گو مفلس ہیں لیکن پاکستان کے فدائی ہیں۔ لیگ کے ناظم سے لے کر
سب بڑے بڑے چوہدری تو انگلی کی خراش کے بغیر اپنے عہدوں پر براجمان
ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی ایک ایک انچ زمین ان غریبوں کے خون کے قطروں سے
بنی ہے۔ اب اصل کام یہ ہے کہ ملت کے اخلاق کو بلند کیا جائے۔ نئے صحت مندانہ
تصورِ سیاست سے عوام کی معاشی۔ اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی مشکلات کا
حل معلوم کیا جائے۔ یہ کونسلوں و ممبریوں، صدارتوں اور وزارتوں کے حاصل
کرنے والی منفی سیاست سے ممکن نہیں۔ اس کے لئے ہمیں قرآنی سیاست
اسلامی اخلاق اور مدنی مساوات و مواخات کو عمل میں لانا ہو گا۔ اس
انقلابی تحریک کا اصل مقام یہی ہے۔ خود غرض اور جاہ پسند لوگوں کا اس
سے خائف ہونا قدرتی امر ہے، لیکن عوام، غربا اور مزدور تو ہمارے پیغام کے
لئے بے چین اور مضطرب ہیں، بشرطیکہ ان تک اس پروگرام کو پہنچا دیا جائے۔

اس سلسلہ میں لیگ کے ایک چوٹی کے لیڈر سے میری گفتگو کا خلاصہ
پڑھیے:-

لیگ لیڈر:- آپ کی تحریک کا مقصد کیا ہے اور اس کے جواز کی دلیل کیا ہے؟

داعیِ حق:- ا۔ ہم تمام مسلمانوں کو ایک ملت سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔

ہم کسی سیاسی پارٹی کا مدِمقابل بن کر میدان میں نہیں آئے۔ ہم تو تمام ملت میں خمیر کی طرح پھیلیں گے، ہر مذہبی اور سیاسی عقیدہ کا مسلمان ہمارا شریک کار ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی ہر جدوجہد میں ہمارا کام بحیثیت مسلمان ہونے کے ان کے بازوؤں کو مضبوط کرنا ہے۔۔ اپنی جان سے بھی اور نیک عمل سے بھی۔ ہم کسی جماعت میں اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے شامل نہیں ہوتے، ہم تو ہر نیک مقصد میں ہر ایک کی خدمت کے لئے بڑھتے ہیں۔ اس طرح اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔

(ب) پاکستان کی حفاظت کے مقابلہ میں افراد واشخاص اور سیاسی پارٹیاں ہمارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ ہمارے سیاسی لیڈر جو کام کر رہے ہیں۔ وہ ان کا فرض ہے۔ ہمیں لیڈروں سے زیادہ اپنی ملت پر بھروسہ ہے۔ کہ وہ جلد یا بدیر خود غرض اور بددیانت لوگوں کو بے وقعت بنا دے گی۔ "قائد اعظم" کا نمونہ اس معاملہ میں ہمارے لئے نمونہ ہے اس لئے ہمارا کام ملت کی عام حالت کو بہتر بنانا ہے، اور کسی قسم کا انتشار پھیلانے سے احتیاط برتنا ہے کوئی مسلمان کسی سیاسی جماعت میں ہو، وہ ہمارے مقاصد کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں حصہ لے سکتا ہے۔

ہمارے ہاں "نام" کا لیبل تو ہے ہی نہیں، اگر نظام کی بندش بھی کسی پر گراں گزرے تو وہ اپنے انداز پر ان اصولوں کو اپنالے۔ ہمیں تو کام سے غرض ہے، ہمیں بیج کی طرح ملت کی زمین میں گھسنا ہے، درخت اگانا۔ اس کی شکل وصورت متعین کرنا یہ خدا کا کام ہے۔

(ج) سب سے بڑا جواز اپنے وجود کا ہر زندہ چیز وجود میں آنے کے بعد اپنے عمل سے پیدا کرتی ہے۔ ہر آدمی دنیا میں بغیر کسی جواز کے آجاتا ہے۔ پھر اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ اس کے وجود کا کوئی جواز تھا یا وہ بے کار محض تھا۔

دنیا میں پیغمبر اس لئے نہیں آئے کہ اُن کے آنے سے پہلے سب لوگ اُن کی ضرورت محسوس کرتے تھے بلکہ لوگوں نے تو اُن کو پتھر مارے۔ لیکن جب پیغمبر نے آکر دنیا میں اپنا مشن پورا کر دیا تو پھر دنیا سمجھی کہ اس کا آنا کس قدر ضروری تھا، اور اگر وہ نہ آتا تو انسانیت کا کس قدر سخت نقصان ہوتا۔ ہماری تحریک کو بھی اپنا جواز اور اپنا مقام اپنے عمل سے پیدا کرنا ہے۔

(۳)

لیگ لیڈر:۔ آپ کا مسلم لیگ کی طرف کیا رویّہ ہے؟

داعی حق:۔ آج کل سیاست ہمارے دماغوں پر کچھ اس درجہ چھا گئی ہے کہ ہم اس کے علاوہ اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ غضب یہ ہے کہ سیاست کا مفہوم ہمارے دماغوں میں مغربی سیاست ہے قرآنی سیاست نہیں۔ اور ہم اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ جو بحثیں اور سیاسی چالیں اونچے ایوانوں میں ہوتی ہیں ان میں تو ہم دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہماری قسمت کا فیصلہ ہماری روزمرّہ کی زندگی میں۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے حادثات میں۔ ہمارے گھر تل بازاروں، میدانوں اور کارخانوں میں، ہمارے دل کے یقین اور حوصلوں میں، ہمارے اپنے اور غیروں سے تعلقات میں آج بھی ہو رہا ہے، ہم اس مغربی

سیاست کے لئے تو بہت کچھ مصالحہ جمع کر لیتے ہیں لیکن اس قرآنی سیاست کے لئے ہماری کوئی تیاریاں نہیں، نہ اخلاقی نہ مادّی ۔

ہمارے کام کا میدان مسلم لیگ کے کام کے میدان سے علیحدہ اور مختلف ہے۔ ہم کوئی سیاسی حیثیت نہیں بنانا چاہتے، نہ اس کی خاطر ہمیں ووٹیں حاصل کرنی ہیں۔ ہمیں تو اس موقعہ پہ اس سے زیادہ ضروری کام کرنا ہے شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ، خانہ بخانہ جاکر لوگوں کو ایک بھولا ہوا پیغام سُنانا ہے اور اس پیغام پر عمل کرنے کے لئے ان کو آمادہ کرنا ہے۔ ہمیں مسلم عوام کی ایک زبردست جماعت اور تحریک بنانی ہے۔ ہمیں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، ہم سیاسی بحثوں میں نہیں الجھتے۔ کیونکہ ان جھگڑوں میں پڑ کر ہمارے تعمیری کام کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور ملّت میں بلا وجہ تفریق پیدا ہوتی ہے، ہر شخص خواہ اس کا کوئی سیاسی نظریہ ہو، یا مذہبی عقیدہ ہو ہمارے پیش نظر جو کام ہے اس کی اہمیّت کو محسوس کرتا ہے اور ہر شخص کو دعوت ہے کہ وہ اپنا سیاسی عقیدہ جو چاہے سو رکھے۔ لیکن اس ضروری اور اہم کام میں ہمارے ساتھ ہو۔

لیگ لیڈر ۔ آپ مسلم لیگ میں شریک کیوں نہیں ہو جاتے۔

داعی حق ۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ جس طرح ہمارا کام کسی سیاسی پارٹی کی مخالفت میں الجھ کر سرانجام نہیں پا سکتا۔ اسی طرح یہ کام کسی ایک سیاسی پارٹی سے متعلق ہو کر بھی نہیں چل سکتا۔ اس کام کے لئے ایک آزاد میدان کی ضرورت ہے۔ ہمارا مقصد خود اس قدر بلند ہے۔ اس قدر ہمہ گیر،

اور ٹھوس ہے۔ کہ اس کو کسی وقتی پالیسی کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ملّت کے کاموں کا دائرہ اس درجہ تنگ ہو چکا ہے۔ کہ اس میں سوائے سیاستدانوں کے اور کسی کی گنجائش ہی نہیں رہی، کیا اب ملّت میں کوئی مرد ولی کوئی مصلح، کوئی مجاہد، کوئی فقیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

لیگی لیڈر۔ کیا آپ اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ تمام مسلمان ایک سیاسی جماعت میں شریک ہو جائیں۔

داعی حق۔ مسلمانوں میں ایک سیاسی جماعت ہو یا سو سیاسی جماعتیں ہوں۔ اگر ہر شخص ملّت کے مفاد کو پیش نظر رکھے تو ملّت ضرور مضبوط ہو گی، انگریزوں کو دیکھو کتنی سیاسی جماعتیں ہیں لیکن قوم کے مفاد کی خاطر سب ایک ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو ان کی قانون ساز اسمبلی بھانت بھانت کا کنبہ ہے لیکن آپس میں کس قدر مفاہمت ہے حقیقت میں یہ مغربی طرز کی سیاسی جماعتیں اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں۔ جب لوگوں میں اپنی جماعت سے زیادہ بلند قومی اور ملّی حس بھی موجود ہو۔

یہ زمانہ واقعی اس قدر نازک ہے کہ اس وقت اختلافات کو بڑھانا خودکشی سے کم نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ سب لوگ اپنی آزادی رائے کو چھوڑ کر کسی ایک سیاسی جماعت میں شریک ہو جائیں ہم اس بات میں کچھ وزن نہیں سمجھتے کہ ایک سیاسی جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے مسلمان زبوں حال رہیں گے یہ بہت سطحی بات ہے اور غلط بھی ہے۔ اگر ہر مسلمان خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھے اوّل مسلمان ہو، اور آخر مسلمان ہو۔ اپنی ملّت کی اصلاح اور غلبہ ہر وقت اس کے پیش نظر ہو۔ اور وہ کسی صورت میں اپنے ملّی فرض کو جماعت کے مفاد پر قربان نہ کرے۔ تو ہم سب مختلف

راستوں سے سہی، لیکن ایک ہی منزل کی طرف گامزن ہوسکتے ہیں۔ اگر اپنی حالت کو بدلے بغیر تمام مسلمان ایک ہی سیاسی جماعت میں شریک ہو جائیں تو بھی کوئی بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی کیا اس طرح ملت میں اونچ نیچ، ظلم، بے انصافی، بے عملی، خود غرضی، بدنظمی ختم ہوسکتی ہے؟ اور کیا ان قبیح اور مکروہ عوارض کی موجودگی میں ملت میں صحیح جان پیدا ہوسکتی ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

ہماری سیاست میں بھی ایک خوش آئند تبدیلی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے۔ جب ہمارے اندر قوم کو ضعیف اور پست کرنے والے اخلاق کی جگہ وہ صفات پیدا ہوں جو قوموں کو دنیا کی کشمکش میں سربلند کرتی ہیں۔ حقیقت میں ہماری تحریک اسی اساس اور بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے ہے جو تمام فرقوں اور جماعتوں میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے مشترک موجود ہے۔

(۵)

لیگ لیڈر۔ کیا آپ کا ارادہ کبھی سیاست میں حصہ لینے کا ہے؟ آپ سیاسی تنقیدیں کیوں کرتے ہیں؟

داعی حق۔ سیاست میں تو ہم اب بھی حصہ لے رہے ہیں۔ قوم کو منظم کرنے اور اس کو طاقت اور نیکی کی طرف لے جانے سے بڑھ کر اور کونسی سیاست ہوسکتی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کس منزل پر موجودہ سیاست میں بھی ہمیں حصہ لینا پڑے یا کس صورت میں حصہ لینا پڑے۔ ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ جوں جوں قوم میں ہمارا پروگرام پھیلتا جائے گا۔ اس کی سیاست کا نقشہ ہی بدلتا جائے گا۔ موجودہ سیاسی جماعتیں رہیں یا نہ رہیں، بہرحال اسلامی سیاست کی نوعیت ضرور بدل جائے گی۔

آپ اس تبدیلی سے ڈرتے کیوں ہیں کیا آپ یہ بات ضروری نہیں سمجھتے کہ ہماری موجودہ سیاسی جماعتوں میں کچھ اصلاح ہو یا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ اب بھی ویسی ہی سیاسی جماعت ہے جیسا کہ آزاد پاکستان میں اسے ہونا چاہیئے۔ آپ کہیں گے کہ اصلاح جماعت کے اندر رہ کر کیجیے تو میں کہتا ہوں کہ گذشتہ تلخ تجربات کے بعد "آزمودہ را آزمودن جہل است" کے مصداق ہوگا ــــ

پنجاب میں علاؤالدین صدیقی۔ خان عبدالستار نیازی اسلامی تصور لے کر لیگ میں پہنچے صدیقی صاحب کو پنجاب میں اپنا دست و بازو بنا کر خان صاحب لیڈر بن گئے۔ چند دنوں میں صدیقی صاحب خان صاحب کو "ابلہ سمجھ" کر جنرل سیکرٹری بن گئے۔ خان صاحب ان کو شریعت فروش مولوی کہکر صدارت کے انتخاب میں سرمایہ دار کمیونسٹ کے ساتھ طوعاً کر ہاتھ ملانے۔ اب اصلاح کرتے کرتے خان صاحب کا لیگ کے ہاتھوں تسلا ہو گیا اور وہ مجلس عاملہ سے بھی علیحدہ ہو گئے۔

سرحد میں پیر صاحب مانکی لیگ کی اصلاح کرتے کرتے مشرقی پاکستان پہنچ گئے۔

اس سے بہتر کیا یہ نہیں کہ ہم اور آپ سب ایک ایسی جماعت میں رہیں جس کا نام اسلامی ملت ہے اور جہاں یہ جنگ زرگری ممکن نہیں۔ اسلامی ملت سب جماعتوں کی ماں ہے اور یہاں ہم سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ہمارا سب کا مستقبل ایک ہے۔ اب تقسیم کا دیں خلوص و دیانت سے قدم اٹھایئے۔

لیگ میں شامل ہو کر اصلاح کرنا فساد پیدا کرتا ہے۔ ہر جگہ آپ کو ایسے اصلاح کے دعویدار ملیں گے اور اس کی نمایاں مثال تو کمیونسٹ ہیں۔ جو بے چارے صرف اصلاح کیلئے لیگی بنے ہوئے ہیں اب تو احرار بھی اسی نیک خیال سے لیگ میں آگئے ہیں کیا اس سے زیادہ سلامت روی کا یہ راستہ نہیں ہے کہ ہم ملت میں بلند اخلاق پیدا کریں اس طرح سیاسی جماعتیں اپنے آپ بہتر ہو جائنگی ہم ملت میں ایک ذہنی اور عملی انقلاب کی رو پیدا کریں۔ تاکہ ہمارے تمام کھوٹ خود بخود اس آگ میں جل جائیں۔ ہماری برائیں خود اس سیلاب میں بہ جائیں۔ نہیں میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کیا اس کے علاوہ اور کوئی اصلاح کی حقیقی صورت ممکن بھی ہے؟

تنقید مخالفت یا تنقیص کو نہیں کہتے۔ آپ تنقید سے گھبراتے کیوں ہیں۔ تنقید سے گھبرانا اپنے اندر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کسی تجویز کا ہماری نگاہ میں ملت پر جو اثر ہوگا اس کو بیان کرنا ہم اپنا فرض اور ملت کی خدمت سمجھتے ہیں۔ دوستی کے یہی معنی ہیں۔ اگر تنقید بلند اخلاقی معیار پر ہو۔ اور تعمیری پہلو لئے ہوئے ہو تو نہ صرف یہ کہ ایسی تنقید نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ ایسی تنقید نہایت ضروری ہے۔ آپ اپنی تنقید کا برا ماننے کی بجائے اس کو خوش آمدید کہیے۔ یہ مسلمانوں کا پرانا حق ہے اور بہت ضروری فرض ہے جب تک یہ قوم ہر تجویز کو تولنے کے قابل نہ ہوگی اس وقت تک نیک تجویزوں سے بھی مفید نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

تیسرا باب

ھم

داعی الی الحق

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (اقبالؒ)

(۱)

ہم نے ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۷ء تک منفرد انقلابی حرکت جس کے سرغنے بھگت سنگھ دت اور داس تھے۔ خاکسار تحریک اور اس کے بعد تحریک پاکستان میں مقدمۃ الجیش کا فرض ادا کیا۔ ہر تحریک میں جب سنگلاخ زمین ہموار ہو گئی اور میدانی فضاؤں میں "ملت" کے نسبتاً عافیت کوش افراد کام کرنے پر آمادہ ہو گئے تو ہم نے اُن کے لیے جگہ خالی کر دی۔ درد بستی نام ہی اس حقیقت کا ہے کہ خدمت اور قربانی کے بعد آسانیوں میں اپنے بھائیوں کے لیے راستہ صاف کر دیا جائے۔

قائدِ اعظمؒ کی رفاقت بھی کٹھن دور میں تھی۔ اب بابائے ملت کی امانت پاکستان پر پھر کڑا وقت آن پڑا ہے۔ عہدوں وزارتوں اور ملازمتوں کے دودھ پینے والے زعماء پریشان ہیں۔ کہ اگر ملت کی تعمیر صحیح انداز پر نہ ہوئی تو اُن کو ختم کر دیا جائے گا۔ دولتانہ اور ممدوٹ پریشان ہیں، کھوڑو اور الٰہی بخش حیران ہیں کہ اتنی بڑی بڑی سیاسی چالوں کے باوجود ملت اُن کو ننگا کر دیتی ہے۔ اور وہ الفاظ و تدابیر کے مضبوط قلعوں میں محصور ہو کر بھی ایسی شکست کھا رہے ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ مور دگلس پر نگاہ رکھنے والے سیاستدان تخیل ملکوتی کہاں سے لائیں۔ "زیدۂ بنیاتِ ملت" اور "دانائے کار" آج موجود نہیں لیکن اُن کا کلام اور کردار تو موجود ہے ہمارا رنگ ہمارے وجود سے باہر نہیں اس کے اندر ہے۔ ایمان، خلوص اور عمل پیہم" وہ ہتھیار ہیں جن سے تعمیر ملت کے کام انجام پائیں گے۔ ہمارے ساتھی بہت تھوڑے ہیں

اور ہم ایک عرصہ سے کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ سینکڑوں ہم سے کٹ
کٹ کر آسانیوں میں گم ہو گئے۔ لیکن کچھ سخت جان ایسے بھی ہیں، جو
ذہنی اور اخلاقی یگانگت میں یک نگاہ اور یک جان رہے ہیں۔ ہم
میں اختلافات ہوتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ شدید اختلافات
کے باوجود ہمارے جماعتی فیصلے ہمیشہ متفقہ ہوئے ہیں۔ ہم نے دیکھا
کہ لوگوں میں اختلافات زیادہ تر اس لئے نہیں ہوتے کہ ان کی رائیں
مختلف ہوتی ہیں بلکہ اس لئے ہوتے ہیں کہ اُن کے مفاد مختلف ہوتے
ہیں۔ اگر مقصد ایک ہی ہو اور نیت صاف ہو، تو کسی نہ کسی طریق کار پر
اتفاق ہو جانا لازمی ہے۔ ایسی صورت میں رائے کا اختلاف بھی رحمت
بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس اختلاف کی وجہ سے وہ طریق کار جس پر بالآخر
اتفاق ہوتا ہے زیادہ صحیح اور متوازن ہوتا ہے۔ بظاہر انسانی جماعت کو اس
اتحاد و اتفاق سے بچائے جو ذہن اور ضمیر کی آزادی بیچ کر حاصل ہوتا ہے
نیز اُس اختلاف رائے سے بچائے جس میں مختلف مفاد "اصول" کا جامہ
پہن کر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے ہیں۔

(۲)

ہم نے جس روز سے اپنے ذاتی کاروبار کے تنگ دائرہ سے نکل
کر "ملت" میں کام کرنا شروع کیا۔ اور اس قدم کو اٹھائے ہوئے ایک
عرصہ ہو چکا، اسی روز سے یہ یقین ہمارے ذہن اور عمل میں کار فرما ہے کہ
مسلمان ایک مخصوص ملت ہیں۔ تحریک صلاح کے بنیادی اصول محض

اس مقصد کی خاطر ایک کوشش ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی کیرکیٹر پیدا ہو۔
ہم سمجھتے ہیں کہ ایک فرد اپنے ملی اخلاق کو مٹا کر نہیں بلکہ اس کو زندہ کر کے
ہی انسانیت کی بہترین خدمت کر سکتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کو ایک مخصوص
ملت ماننے کا منطقی نتیجہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اسلامی اخلاق رائج
ہو، وہاں ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ اسلام کے علاوہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود
کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو قوم یا ملت زمانہ کی رفتار کے
ساتھ ساتھ ترقی نہیں کرتی۔ اور دوسری قوموں سے اپنے تعلقات منقطع کر
لیتی ہے۔ اس میں زندگی کے لوچ کی بجائے موت کی سختی پیدا ہو جاتی ہے
لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج تک کوئی قوم دوسروں کا سہارا لے کر یا بالکل
دوسروں کے زیر اثر رہ کر اور ان کے عقائد کو اپنا ایمان بنا کر اور ان کے طریق کو
اپنا مذہب بنا کر کسی عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکی۔ زندگی کے لئے
لوچ ضروری ہے اپنے ماحول سے غذا حاصل کرنے کی صلاحیت ضروری
ہے۔ لیکن ریڑھ کی ہڈی میں سختی کی بھی ضرورت ہے "تعصب" بہت بری لعنت
ہے لیکن "عصبیت" زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر ملت کو اپنی زندگی خود پیدا کرنی
ہوتی ہے۔ یہ زندگی کسی دوسری قوم سے مستعار نہیں لی جا سکتی۔

(۳)

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کچھ عقائد یا تصورات کا مجموعہ نہیں ہے۔
بلکہ اسلام ایک نظام زندگی اور ایک انقلاب کی حیثیت سے دنیا میں پھیلا۔
اسلام میں لوگ اس لئے شریک نہیں ہوتے تھے کہ فلسفیانہ اعتبار سے انکو

اسلام کے کچھ عقائد پسند تھے، بلکہ وہ اپنی آنکھ سے ایک ایسا بڑھتا ہوا، پھیلتا ہوا نظام زندگی دیکھتے تھے، جس میں اخوت۔ انصاف، طاقت اور نیکی کی عالمگیر طاقتیں کام کر رہی تھیں۔

اسلام ایک مستقل انقلاب ہے جو ہر قوم کو ہر منزل پر آنے والی منزل کا نشان دیتا ہے۔ اسی انقلاب کو پھیلانا اور زندگی کے ہر شعبہ میں پھیلانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں

ہم سب نے اس انقلاب کو پھیلانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ ہم اپنا نام مٹا کر خدا کے نام کو بلند کریں، ہماری ہڈیوں کے اوپر اسلام کی تعمیر قائم ہو۔ اس سے بڑھ کر قابل فخر بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس سے بڑھ کر عزت اور انعام تصور میں نہیں آسکتا۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری قوم میں لیڈروں کی بہتات ہے لیکن کارکنوں کی سخت کمی ہے جس قوم میں کہنے والے بہت ہوں اور کرنے والے کم ہوں، جس قوم میں ہر شخص عمارت کا گنبد بننا چاہے لیکن خاک میں چھپا ہوا گمنام سنگِ بنیاد بننے کی تڑپ بہت کم ہو۔ اس قوم کی عمارت کیسے کھڑی ہو سکتی ہے۔ شہرت، شہرت کے طلبگاروں کو مبارک ہو، ہمیں تو اپنے خدا سے انعام کی امید ہے۔ آخر زندگی اور زندگی کا حاصل ہے ہی کیا؟

بلند و پاکیزہ چند جذبے ؛ عمل کی دو چار منزلیں طے
میرے رفیقو! سوائے اس کے ؛ نہیں ہے کچھ زندگی کا حاصل

یہ ایمان و یقین۔ یہ تمنا و مقصد ہماری مشترک اساس ہے۔ ہماری جماعت کی

روح ہے۔ ہماری تمام کوششیں اور تمام جدوجہد اسی ایک تڑپ کا نتیجہ ہیں۔
یہی ایک عشق اور جنون ہے، جو ہماری زندگی کا سرمایہ ہے۔ ۱۹۳۳ء میں ہندو سیاست
سے مایوس ہو کر ہم خاکسار تحریک میں آئے۔ ۱۹۴۷ء تک مسلم لیگ کے متوازی چلکر
ملت کے خاکسار رہے، ملت کے دو قائدین ٹکرا گئے، تو ہم نے تعمیر کا دامن تھام لیا۔
تخریب سے کٹ گئے۔ علامہ مشرقی نے ہمیں جناحی سمجھ کر تحریک سے نکال دیا۔
تحریک پاکستان کی کٹھن منزلوں میں ہم نے قائد اعظمؒ کے سپاہیوں کا فرض ادا کیا۔
حصول طاقت کے بعد عہدوں کی بانٹ پر ہم پھر گوشۂ غزلت میں چلے گئے۔ براہ راست
اقدام (ڈائرکٹ ایکشن ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء) سے لیکر آج تک ہم خون اور آگ سے کھیلتے ہوئے
یہاں پہنچے ہیں، انتہائی مخالفت کے باوجود رفیقان انقلاب کی تلاش میں ہم نے
کبھی تکان محسوس نہیں کی۔ گذشتہ مشکلات کو دہرانا عبث ہے (کسی کو شوق ہو تو
اس کی ایک جھلک کتاب زندگی کے پہلے چار حصوں میں پڑھ لے) جو کچھ ہوا۔ ہوا۔ ہم
مشکلوں میں ہنس دیتے ہیں، مخالفتوں کا تحمل اور بلند اخلاقی سے مقابلہ کرتے ہیں۔
اُن سے پیٹھ موڑ لیتے ہیں اور منزل کی طرف منہ کرکے اپنا راستہ چلتے رہتے ہیں۔
اب تو وہ تمام باتیں ماضی کی داستان معلوم ہوتی ہیں۔ نگاہ کے سامنے نئے
میدان ہیں، حوصلہ آزمائی کے لئے نئے پہاڑ ہیں۔ دل میں نئے ولولے اور خدا
ہمارے ساتھ ہے۔ ۱۲ جون ۱۹۴۸ء کو میں "انصارز" کی سرکاری خدمت سے
فارغ ہو کر ڈھاکہ سے کراچی پہنچا۔ اور پہلا قدم اٹھایا گیا، کہ مخالفتوں کے باوجود
اپنی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے اور جو انقلابی مواد تیار ہوا ہے۔ اس کی تشکیل کی جائے۔
تاکہ کام آگے بڑھے۔ اس عرصہ میں کارکنوں کی کمی اور وسائل کے فقدان کے باوجود

ہم نے اپنی ہستی کو برقرار رکھا۔ زیادہ وقت محاذِ کشمیر پر گزرا۔ اور شہروں میں جانا دانستہ بند کر دیا گیا۔ تاکہ فطرت کی آزاد آغوش میں ملکوتی تخیل پیدا ہو سکے۔ ہماری آواز اب دُور دُور تک پہنچ چکی ہے اور چند قابل قدر رفیقوں کو کھینچ لائی ہے ممدوٹ اور دولتانہ چپقلش میں پنجاب میں ۹۲ الف نافذ ہوئی تو لاہور میں پھر نئے پُرانے رفیق مل بیٹھے۔ انہوں نے اپنی ہمتوں کو تولا۔ اپنے کام کا جائزہ لیا اور آئندہ کے لئے کچھ فیصلے کئے، خدا ان فیصلوں سے عمل کے چشمے جاری کرے گا۔

(۵)

یہ کس قدر مبارک بات ہے کہ ہماری جماعت میں ایک زندگی ہے، ایک ضمیر ہے۔ ہم اپنے خدا اور اپنے مقصد کی طرف دیکھتے ہیں، فرقہ پرستی یا شخصیت پرستی سے کوسوں دُور ہیں۔ خدا ہماری جماعت کو انسانی جماعتوں کی اس عام کمزوری سے دُور رکھے۔ یہ کس قدر مبارک بات ہے کہ بچھڑے ہوئے رفیق مل رہے ہیں۔ اصلاح اس طرح ہو رہی ہے۔ کہ فساد کا شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔ اتحاد اس طرح پیدا ہو رہا ہے کہ انتشار کا کوئی موقعہ نہ نکلے۔ یہ کس قدر مبارک بات ہے کہ آج ملت اسلامیہ میں اصلاح اور انقلاب کی ایک عام تڑپ موجود ہے۔ ہم نے اپنے تجربہ سے یہ بات دیکھی ہے کہ عامتہ المسلمین ہمارے اصولوں سے برگشتہ نہیں ہیں، اور نہ ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ اصول قرآن حکیم سے مستنبط ہیں جن کو جذباتی طور پر یا یقینی طور پر، یہ ہر نوع مسلمان اپنی زندگی کی اساس سمجھتا ہے۔

افسوس ہے کہ تحریک پاکستان میں قائدِاعظم کی وفات کے بعد غرض مند لوگ ذاتی مفاد میں اندھے ہو چکے ہیں۔ اور اب ان کو ملت کی صحت مندانہ گرفت کے

بغیر کسی کا ڈر نہیں رہا۔ خدا کا ڈر نیکی کی اصل جڑ ہے۔ وہ ان ابن الوقتوں سے کوسوں دُور ہے۔

جماعت اسلامی۔ احمدیہ فرقہ اور اس قسم کے دوسرے ادارے بیشک نیک اور بلند مقصد کے لئے وجود میں آئے۔ مگر وہ اب "امیرالمومنینوں" کی قیادت میں فرقہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں عالمگیر اسلام کی لہریں آگے بڑھنے سے رُک گئی ہیں۔ اُن کے محدود دائروں میں بھنور پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور غافل آدمی اس حرکت کو دیکھ کر خوش ہیں۔

ہم نے عہد کر لیا ہے کہ "ابن الوقتوں" اور ان اصلاح کے طالبوں کے سینوں کو کشادہ کر کے رہیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ملّت اسلامیہ جب بیدار ہو جائے گی تو ہاتھ کو ہاتھ پکڑیں گے، سینے سینوں سے ملیں گے، محبت کی لہریں پیدا ہوں گی اور عمل کے دریا اُمنڈیں گے۔

کس قدر مبارک بات ہے کہ شکست خوردگی کی تاریکی ہمارے پیچھے ہے۔ اور امید کا روشن مینار ہمارے سامنے ہے اب ہماری پوزیشن آپس میں بھی، اور ملی زندگی میں بھی زیادہ مضبوط ہے ہم آگے ہی کی طرف بڑھ رہے ہیں، پیچھے سے پکڑنے والی مخالفتیں ختم ہو گئیں، کیوں کر ان میں خود آگے بڑھنے کی سکت نہیں رہی۔ ہمارے کام کا میدان پیدا ہو رہا ہے۔ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

چوتھا باب

ہمارا مقصد

دَاعِی اِلَی الحق

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے
(اقبالؒ)

(۱)

قوموں کے عروج و زوال کا عبرت ناک کھیل ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے عالمِ انسانیت میں یوں ہی ایام بدلتے رہے ہیں۔ کتنی بڑی بڑی قومیں تھیں جو تاریخ کے منظر پر آئیں۔ بڑھیں، پھیلیں۔ طاقت۔ دولت اور عزت کی مالک بنیں اور ختم ہو گئیں۔ آج آپ اُن کے کھنڈرات میں جائیں تو وہاں کوئی آواز سُننے میں نہیں آتی۔ اُن کے نام تاریخ میں باقی رہ گئے۔ اُن کے نشان آئندہ آنے والی اُمتوں کے لئے ایک عبرت بن گئے۔ اُن کی نیکی دنیا کے ورثہ میں باقی رہ گئی۔ وہ خود مٹ گئیں اور وقت کا قافلہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اسلام نے اس موت اور ہلاکت کے چکر سے نجات پانے کی واحد سبیل بتائی، اور ملت کو قیام و دوام، وراثت اور استخلاف کا راز بتایا۔ اس ملت میں نئی نسلیں اور نئی قومیں آ کر مدغم ہوتی رہیں اور نئی نئی صورتوں سے یہ ملت پھیلتی رہی۔ ایک زندہ یقین، ایک پختہ ارادہ، ایک بلند مقصد اور مضبوط اخلاق و عمل میں اس کی زندگی محفوظ رہی۔ لاریب خدا حیّ و قیّوم ہے۔ یہ ملت بھی ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ خدا موت میں سے زندگی اور زندگی میں سے موت نکالنے والا ہے، یہ ملت بھی مر مر کر زندہ ہونے والی ہے۔

۱۷۰۷ئہ کے بعد اس ملک میں اسلامی ملت (عالمگیرؒ کی وفات پر) سیاسی طور پر لنگڑی ہو گئی۔ اس کی زندگی میں بڑھنے کی صلاحیتیں نہ رہیں۔ زندہ چیزیں جب بڑھتے بڑھتے رک جاتی ہیں تو وہ گھٹنے لگتی ہیں۔ یہ ملت بھی اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے خارجی اثرات کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور دنیا میں اپنا مقام اور عزت کھو بیٹھی۔ اس عرصہ میں مختلف اسلامی ممالک مغرب کی طاقت اور ترقی سے مرعوب ہو کر وہاں کے تصورات و نظریات قبول کر کے اس امید میں کہ شاید اس طرح اُن میں زندگی پیدا ہو جائے۔ (شاید اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا) اِدھر لپکے۔ اُن سے کچھ سطحی ہلچل ہوئی، لیکن ملت میں صحیح زندگی پیدا نہ ہو سکی۔ خود ہندوستان میں ایمان اور عمل کو چھوڑ کر ہم تعداد کے بتوں کو پوجنے لگے، دنیا میں اس قدر لغویات کم دیکھی گئی ہے۔ کہ ایک قوم محض اس لئے زندگی کی کشمکش میں پیچھے رہ جائے کہ اس کی تعداد کسی دوسری قوم سے کم ہے جب سے مسلمانوں نے ایمان اور عمل کا راستہ بتانے والے خدا سے اپنا رشتہ توڑا۔ اور جمہوریت کے نام پر تعداد کے بُت کی پرستش کرنے لگے، تب ہی سے وہ حیرانی، اور سرگردانی میں مبتلا ہو گئے، نشستوں کا تعین، حقوق کا تحفظ، انتخابات میں ووٹ کی دریوزہ گری غرض ہزار تدبیریں اور ہزار محرومیاں اسی ایک پوجا سے حاصل ہوئیں۔

آج خطرہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں حصول پاکستان کے بعد بھی اس قدیم غلامانہ منفی سیاست کو یکسر بدل کر مثبت اسلامی سیاست کے انداز پر تنظیم کی طرح نو نہ ڈالی گئی، تو نئے غیر اسلامی طریق اور نظام اُن میں سرایت

کر جائیں گے۔ چالباز اور عیار لوگ پیٹ یا آرام کے نام پر ملت کو غیروں کے ہاتھ بیچ دیں گے۔

(۲)

زمانہ کا موجودہ دور بحرانی دور ہے۔ گذشتہ عالمگیر جنگ بظاہر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی تک اُن سے خونیں بادل نہیں چھٹے۔ اگلی جنگ کے لئے امریکہ اور روس پر تول رہے ہیں۔ برطانیہ کو زمین پر پاؤں جمانے کی مشکل پڑ رہی ہے۔ مظلوم قوموں میں ہلچل ہے۔ چچا سام اور خالو ٹام سرگرمیاں کر رہے ہیں اور مشرق میں "سُرخ سیلاب" پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے نعرہ پر اخلاق اور ایمان کی تمام قدریں بے معنی بنا چکا ہے۔ اس برِّعظیم میں اُن لوگوں کی کمی نہیں جو انسانیت اعلیٰ کے اصلی مفہوم کو ہی نہیں سمجھتے، وہ پیٹ اور حیوانیت کے نام پر بآسانی بک سکتے ہیں۔ غرضیکہ ایک "قیامت" ہے جس کے بطن سے "ایک نئی دنیا" بڑے کرب کے ساتھ پیدا ہو رہی ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل کے خد و خال کیا ہوں گے۔

ایسے موقعہ پر ہمارا بنیادی سوال اور بھی شدید طریقہ پر سامنے آجاتا ہے ہمارے سامنے اب بالکل موت یا زندگی کا سوال ہے۔

اب یا تو اسلامی ملت اسلام کی بنیادوں پر اپنے اندر ایک انقلاب پیدا کر کے فلاح حاصل کر سکتی ہے۔ یا بحیثیت اسلامی ملت کے اس کا مستقبل بالکل ختم ہے۔ ہمارے سامنے یا تو بالکل تاریکی یا موت ہے یا زندگی سے بھری ہوئی روشن دنیا ہے۔ اب یا تو ہم اسلامی ملت کی تاریخ میں ایک نئے

باب کا افتتاح کریں یا قوم بنی اسرائیل کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا کے غضب میں گرفتار ہو جائیں ۔ یا تو دنیا میں اپنے لئے مقام اور عزت پیدا کر لیں یا کچھ دن اور کشاکش کے بعد افسانۂ عبرت بن جائیں۔ یہ سوال ہمارے سامنے موجود ہے !

سیاسی چالیں اور لفظی جال اس سوال کو چھپانے کی لاکھ کوشش کریں۔ ہر دیکھنے والی آنکھ کے لئے یہ سوالیہ نشان (؟) اپنی جگہ موجود ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ اسلامی نظام دنیا کے تمام نظاموں سے بالاتر ہے۔ یہ نظام جامد اور مردہ نہیں ہے یہ نظام ایک عمارت کے نقشہ کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ نظام ایمان کے بیج سے پھوٹتا ہے۔ اور عمل صالح کے ذریعہ زندگی کے تمام شعبوں، انفرادی، معاشی، معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی میں پھیل کر "شجر طوبیٰ" بن جاتا ہے اس نظام کے اندر خود ایک انقلاب آفریں زندگی موجود ہے۔ اسی انقلاب کو پیدا کرنا اور اسلام کو غالب کرنا ہمارا فرض ہے۔

ملت میں وقتاً فوقتاً انقلاب پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس انقلاب سے نئی زندگی کی تشکیل ہوتی رہی ہے۔ بڑے بڑے مجددین ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ ہمارے اندر اماموں اور مجددوں کی روحانی اور عملی صلاحتیں نہیں ہیں چھوٹی چھوٹی عملی صلاحتیں ہیں ۔ آؤ ۔ ہم کیوں نہ ایک بہت بڑے مقصد کی خاطر اپنی چھوٹی چھوٹی روحانی عملی صلاحیتوں کو ایک جگہ جمع کر لیں اور اس اُمت میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑا دیں۔ ایک بڑا مقصد چھوٹے عمل کو بڑا بنا دیتا ہے، اللہ کا نام ایک مٹی کے گھر کو کعبہ کا شرف بخش دیتا ہے اور بے شک ہم محروموں

ہیں سے نہیں ہیں۔

(۳)

مسلمان کسی جگہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، وہ ایک ملت ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر اقلیتی علاقوں میں مسلمان کمزور ہیں تو اکثریت والے علاقوں کے مسلمانوں کی امداد پر تکیہ کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی جگہ کے مسلمان کمزور ہوں تو وہ یہ سمجھ لیں کہ نہ صرف وہ کمزور ہیں بلکہ دوسری جگہ کے مسلمانوں کو بھی کمزور کر رہے ہیں۔ اگر اکثریت والے علاقوں کے مسلمان پست اخلاق ہیں تو وہ اقلیت کی جگہوں کے مسلمانوں کو کمزور کر رہے ہیں۔

"سیاست" میں جغرافیائی حدود بہت اہم ہیں لیکن ملت اور قوم جغرافیائی حدود کو نہیں پہچانتی، مسلمان کسی جگہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں ہوں اُن کا نظام بیرونی اثرات سے آزاد ہو کر ہی قائم ہو سکتا ہے ہر جگہ مسلمانوں کو طاقت اور نیکی کے ساتھ بلا خوف اور بلا ظلم قائم رہنا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کیونکہ طاقت اور نیکی کے سرچشمے خود ہمارے اندر موجود ہیں، جس طرح زنجیر کا سلسلہ اس کی کمزور ترین کڑی سے آزمایا جاتا ہے۔ اسی طرح ملت اپنے عوام کی حالت سے جانچی جاتی ہے۔

مسلمان ملت کے معنی "مسلم عوام" ہیں اور اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں مسلم عوام میں سرداری کی شان پیدا کرنی ہے۔

انقلاب کے اس نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے پہلا سوال یہ ہے کہ اس اُٹھان اور تنظیم کی طرح کیسے ڈالی جائے؟

ہم جب ملت اسلامیہ کی قرآنی اساس پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

انگریزی دور نے ہمارے دل و دماغ کو کچھ اس طرح ماؤف کر دیا ہے کہ تنظیم ملت کی حقیقی بنیاد یکسر ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ گداگری اور ووٹ کی سیاست نے ہمارا نظریہ حیات ہی بدل دیا ہے۔ انگریز اور ہندو کا خوف، زندہ نہ رہنے کا ڈر، دشمنوں کے مظالم یہ پچھلے سو سال میں ہمارے تعمیری ستون بنے اور ان کھوکھلے (منفی سیاست کے) کھلونوں پر جو بھی تنظیمی عمارت کھڑی ہوئی وہ پہلے وار میں ہی شگاف در شگاف ہمارے بودے پن کا زندہ نمونہ بن گئی۔ مسلم لیگ جیسی عظیم الشان جماعت کا حشر دیکھئے۔!

اس عوامی انقلابی تحریک میں ہمارا پہلا قدم یہ ہے، کہ ہم ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے کی وجہ سے ایک امت ہیں۔ اتحادِ امت اس عقیدہ کی بنیاد پر دی ہوئی تربیت اور ڈسپلن کے بغیر ممکن نہیں، ہماری تنظیم کسی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس اندرونی یقین اور ایمان پر مستقل مثبت انداز پیہم جو یہ عقیدہ ہمارے ریشہ ریشہ میں سرایت کر دیتا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے تو حیوان بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں، ہم ارادہ اور یقین کے ساتھ اللہ کا سپاہی بن کر دنیا میں نیکی کا راج قائم کرنے کے لئے زندہ ہیں، ہمارے اس موقف کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہماری اپنی عزت اور جان محفوظ ہو گی اور اس کا مستقل نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کی جان اور عزت بھی محفوظ ہو جائے گی۔ خوف کی منفی تنظیم میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، نئے مقاصد پیدا کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی۔ اس سے تو محض ایک بھیڑوں کا گلہ بنتا ہے، یقین و ایمان کی تنظیم آگے بڑھنے والی ہوتی ہے، پھیلنے والی ہوتی ہے نئے نئے مقاصد اپنے

سامنے پیدا کرتی ہے ظلم اور بے انصافی کو ہر صورت میں اور ہر طرح مٹانے کی قابلیت اس میں بدرجۂ اتم ہوتی ہے

زندگی کے تمام سیاسی اور معاشرتی مسئلوں کو حل کرنے کی یہی ایک صورت ہے اور یہی سیاست ہمارے پیش نظر ہے

اسی سے نہ صرف خوف سے امن ملے گا، بلکہ بھوک سے بھی نجات حاصل ہو گی اور آدمی انسان بن سکیں گے،

خوف کی تنظیم کو نہایت آسانی سے خود غرضانہ مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے (جیسے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں گذشتہ ہر نازک وقت پر کیا گیا، اور آج کشمیر و پاکستان میں کیا جا رہا ہے) لیکن یقین و ایمان میں کسی قسم کا دھوکہ کسی قسم کی شخصیت پرستی نہیں ہو سکتی۔

مسلمانو! اب تم اپنی خوف کی تنظیم کو یقین و ایمان کی تنظیم سے بدل دو، تنظیم ضرور کرو لیکن نہ اس لئے کہ تمہیں کسی کا ڈر ہے بلکہ اس لئے کہ تمہارے خدا کا حکم ہے

اگر تم نے اس طرح اپنی تنظیم کر لی تو نہ تو دشمنانِ اسلام کا خوف تمہارے دل میں رہے گا، اور نہ باطنی منافقین تمہارے ایمان اور یقین میں کوئی رخنہ ڈال سکیں گے، بس خدا کے قوی و غنی کا خوف دل میں رہ جائے گا۔ اور دوسرے سب خوف نکل جائیں گے۔ ـ

وذالك الفوز العظيم

مسلم عوام کی انقلابی تحریک امنی تنظیم کا نام ہے۔

پانچواں باب

ہمارا ماحول اور منزل کا راستہ

داعی الی الحق

جو سختی منزل کو سامانِ سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی ناپید ہے وہ راہی
اقبال رح

(۱)

اس انقلابی تحریک کے مقصد کو سمجھ لینے کے بعد اپنے ماحول پر نظر ڈالئے خون اور آگ کے جو کھیل تقسیم ہند کے بعد آپ نے دیکھے ہیں ان پر نگاہ عبرت ڈالتے ہوئے بڑھ جایئے۔ اور لاکھوں انسانوں کی ہڈیوں پر جو نیا نقشۂ تعمیر نظر آ رہا ہے اسے اپنی میز پر رکھئے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ ہوا ہے اس کو "خوف" یا "حزن" کی آنکھ سے دیکھنے والے کے لئے "منزل" کا راستہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ہم مرکب لا حزن ولا خوف کے شاہ سوار ہیں اللہ کا یہی حکم ہے۔ اَلَا اِنَّ اَولیاءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ علیہِم ولَا ھُم یَحزَنُون

(ترجمہ اللہ کے دوست ڈر اور غم کے راستہ سے دور ہیں)

جو کچھ ہوا ہوا۔ وہ قانونِ فطرت کے ہاتھوں تاریخ کے ایک باب کی تکمیل تھی۔ اب ہمارے ہاتھوں دوسرے باب کی ابتدا ہو رہی ہے۔ افراد تو رو دیں گے انہیں رونے دو اس لئے کہ ان کے آنسو کشتِ ملت کے لئے آبیاری کا موجب ہوتے ہیں۔ تو ہیں نہیں رویا کرتیں۔ ان کے رونے سے سیلاب آ جاتا ہے۔ اور کشتیٔ ملت کے غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ماضی پر نگاہِ عبرت ڈالتے ہوئے بہادرانہ اقدام ہماری قسمت ہے ہر انقلاب کے لئے قدرت کی طرف سے ایک "ساعت" مقرر ہے اور دنیا کی تاریخ ہمیشہ انسانی

خون سے لکھی گئی ہے۔ جب جب زمانے میں انقلاب آئے انسان کا خون بے دریغ بہا دیا گیا۔ اس خون کے "مدوجزر" میں وقت نے کروٹیں بدلیں۔ مصر، یونان اور روما کی تہذیبوں کا یکے بعد دیگرے ابھرنا اور مٹنا، ہندوستان میں آریائی تہذیب کا قائم ہونا، بدھ کا عروج و زوال، یورپ میں عیسائی تمدن کا پھیلنا پھر تہذیب جدید کا آغاز، اسلامی تہذیب و تمدن کا دنیا پر تسلّط، فرانس اور روس کے انقلابات، اور آج مغربی تہذیب کا ہماری آنکھوں کے سامنے اختتام۔ یہ سب انسانی خون ہی کے کھیل ہیں —— زمین پر تمکن اور استخلاف اسی صورت میں اور اسی ڈھنگ پر ہوا ہے۔ ایک طرف لوگوں کے اور قوموں کے اپنے اپنے ارادے اپنے اپنے خوف، اپنی اپنی زندہ رہنے کی تمنائیں، اپنی رقابتیں اور اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں تصادم ہوتے ہیں۔ خونریزیاں ہوتی ہیں اور دوسری طرف اسی ہنگامہ میں ان ہی تصادم اور خونریزیوں میں مشیت ایزدی کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسان کے چھوٹے چھوٹے ٹکر ہوتے ہیں اور ان میں "خیر الماکرین" کا بڑا [illegible] آتا ہے۔

یہی موت اور زندگی کا کھیل، تعمیر و تخریب کا کھیل، عروج و زوال کا کھیل ہمیشہ سے کھیلا جا رہا ہے۔ اور ہمیشہ کھیلا جائے گا۔ تعریف اور حمد صرف اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

افراد و اشخاص کی طرح قوموں اور تہذیبوں کی بھی ایک مدّت مقرر ہے ایک ساعت مقرر ہے۔ جب وہ ساعت آجاتی ہے تو ایک لمحہ نہ تقدم ہوتا ہے نہ تاخّر۔

زندگی کے ہنگاموں سے پر رونق دنیا میں مُردہ چیزوں کے لئے کوئی جگہ نہیں

ہے۔ اس سے تعفن پیدا ہوتا ہے۔ اس کا زہر پھیلتا ہے۔ ہر ہر قدم پر زندگی اپنے مُردوں کو دفناتی ہے۔ اگر ایام ادلتے بدلتے نہ رہیں اور زندگی اور موت کا تصادم نہ ہو۔ تو دنیا کے ظلم، اس کی برائیاں، اس کے فتنے ہمیشہ قائم رہیں اور انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونے کا کوئی موقع ہی نہ ملے اگر وہ ایک قوم کو دوسری قوم سے، ایک شخصیت کو دوسری شخصیت سے دفع نہ کرتا تو عبادت گاہیں مسمار ہو جاتیں۔ فرعونیت کا دور دورہ رہتا تکبر اور ظلم کا دوگونہ عذاب دنیا پر حادی رہتا اور اس سے نجات کی کوئی صورت باقی نہ رہتی۔

غیور اور رحمان خدا نے یہ سنت قائم کر دی ہے کہ دنیا میں فرعون زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ یا دو فرعون آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہوں گے یا ایک فرعون کے لئے موسیٰ پیدا ہوگا۔ انسان کے خون پر یہ کھیل اس لئے کھیلے جاتے ہیں کہ انسانیت کا احترام باقی رہے۔ خدا کا نام قائم رہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقَىٰ وَجْهُ

رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔

(۲)

زندگی کے ایام میں ایک گہرا انقادن اور ہم آہنگی ہے۔ لیکن زندگی میں ایک خطرناک تصادم بھی ہے۔ اور اسی تصادم کے ذریعے وہ ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ زندگی موت سے چھپنے کو نہیں کہتے۔ بلکہ زندگی تو موت کے ہنگامے سے پیدا ہوتی ہے۔ موت ہی تو وہ آگ ہے۔ جس سے زندگی

کے جو ہر روشن ہوتے ہیں ۔ موت ہی وہ سان ہے ۔ جس پر زندگی کی تلوار تیز ہوتی ہے ۔

اس حقیقت سے گریز کہاں ہے ــــ جنگ کے بغیر صلح، موت کے بغیر زندگی ۔ تخریب کے بغیر تعمیر کیوں کر ممکن ہے ۔ دنیا کے ہر بڑے آدمی نے ۔ موسیٰؑ نے ۔ عیسیٰؑ نے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہندوستان کے کرشن نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے ۔ اس حقیقت سے انکار کرنے والے یا سُود خوار ہوتے ہیں جو آدمی کا خون بہانے سے زیادہ منافع آدمی کا خون چوسنے میں دیکھتے ہیں یا ٹھگ اور مکار ہوتے ہیں ۔ جو اس طرح دوسروں کو اپنے متعلق دھوکہ دیتے ہیں یا غلام ہوتے ہیں ۔ جو خود کیڑے ہوتے ہیں اور دوسروں کو کیڑا دیکھنا چاہتے ہیں ۔ یا خشک مغز فلاسفر ہوتے ہیں ۔ جن کا علم ان کے لئے "حجاب اکبر" ہوتا ہے ۔

وہ زمانہ جب کہ ہندوستان کی مختلف قومیں اور جماعتیں انگریز سے امیدیں رکھتی تھیں اور سیاست کا تمام کھیل ان ہی کے وعدوں اور اعلانوں کے چاروں طرف گھومتا تھا اب ختم ہو چکا ہے ــــ وہ آئینی سیاست کا دور تھا ــــ یوں تو یہ کھیل اب بھی جاری ہے ۔ لیکن زیادہ اہم یہ بات ہے کہ یہاں کی قومیں اب خود اپنی طاقت پر اپنا مستقبل بنانے کی فکر میں ہیں ۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ نئی ذمہ داریوں کا احساس بیدار ہو، نئے مقاصد سامنے آئیں اور نئے انقلاب کے

لئے تڑپ ہو —— تقسیم ہند کے بعد جو فسادات اور بغاوتیں رُونما ہوئیں ان کی نوعیت غلامی کے فسادات سے بہت مختلف ہے ۔ یہ "خطرناک کھیل" اس وقت تک جاری رہیں گے ۔ جب تک ہند و فطرت کا جوش کسی زبردست طاقت سے ٹھنڈا نہیں ہو جاتا یا تاریخ کوئی نیا ورق نہیں اُلٹتی یہ ہنگامے آنے والے حالات کا پیش خیمہ ہیں ۔ یہ طوفان کا پہلا بادل ہیں زندگی کی اندھی طاقتیں بیدار ہو رہی ہیں ۔ اور برِّ عظیم ہند و پاکستان کی مختلف قومیں " ہر مسئلہ " کو اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں ——!

ہماری حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اب تک مستقبل کی تصویر صاف طور پر نہیں آئی ہے ۔ معاملہ کی نزاکت کا ان کو اتنا صحیح احساس نہیں ہے ۔ جتنا ہونا چاہئے ۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان واقعات کا جو آئے دن رونما ہو رہے ہیں ۔ ان کے مستقبل پر کیا اثر پڑ رہا ہے —— جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں سے ان کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں —— جہاں اکثریت میں ہیں وہاں ایک ہنگامی جوش پیدا ہو جاتا ہے ۔ جس کو قابو میں رکھنا دشوار ہوتا ہے ۔ اقلیتی علاقوں میں خوف و ہراس اتنا ہی مُضر ہے جتنا اکثریتی علاقوں میں ظلم و زیادتی ۔

ظُلم اور زیادتی سے طاقت کا ایک غلط دھوکہ سا ضرور ہو جاتا ہے لیکن عادل اور توانا ۔ خدا نے یہ قانون ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا ہے ۔ کہ اگر جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے تو ظُلم بھی خودکشی کے مترادف

ہے ۔ زندگی کے لئے طاقت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی نیکی ۔ ہمیں اپنے اندازوں میں اکثریت اور اقلیت دونوں جگہوں کے مسلمانوں کو رکھنا ہے ۔ ملت کے ہم دو حصے نہیں کر سکتے ۔

ہمیں اقلیت اور اکثریت دونوں علاقوں کے مسلمانوں میں صحیح زندگی اور تنظیم پیدا کرنی ہے ۔ ان کے سامنے اسلامی زندگی جس کی شرط اوّلیں آزادی ہے رکھنا ہے ۔ وہ تدابیر اختیار کرنی ہیں جن سے وہ ہر جگہ طاقت اور نیکی کے ساتھ رہ سکیں ۔ جو جوش ان میں واقعات کے تقاضہ سے پیدا ہو رہا ہے اس کو صحیح زندگی کے مضبوط سانچوں میں ڈھالنا ہے ۔ اس جوش سے مستقل نتیجے پیدا کرنے ہیں ۔

مسلمان نہ کسی پر ظلم کریں نہ کسی کا ظلم برداشت کریں ۔ ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھانی ہے کہ تعداد کی کمی کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ یہ بات سمجھانی ہے ۔ کہ کمزور لوگ امن قائم نہیں رکھ سکتے ۔ امن قائم رکھنے کے لئے بڑی طاقت کی ضرورت ہے امن قائم رکھنے والی طاقت کا فساد پیدا کرنے والی طاقت سے زیادہ ہونا بہر حال ضروری ہے ـــــ یہ روشن حقیقت ان کے دل میں اتارنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو غالب نہیں کرتا جو امن قائم رکھنے کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے ۔ ہماری منادی یہ ہے ۔

(۳)

"اللہ سے ڈرنے والو" !

دنیا کی کسی طاقت سے نہ ڈرو ۔ غیر اللہ کا خوف مرض ہے ۔ گناہ ہے ۔ موت ہے ۔ پختہ یقین ۔ مضبوط ارادے اور توانا جسم پیدا کرو ۔

انسانیت کا نام بلند کرو ۔ خلق خدا کی خدمت کرو ۔ دنیا میں عدل قائم کرو ۔ ظلم کو

پاش پاش کر دو ـــــ ہر وہ ذہنیت، ہر وہ عقیدہ ۔ ہر وہ طریقہ جو تم کو کمزور کرے ۔ عمل سے تمہیں ہٹائے یا عمل میں سست گام کرے کسی نہ کسی صورت میں شرک ہے ـــــ خدا ئے توی ضعیفوں کو توی بنانے والا ہے ۔ خدا کے اندر یقین عمل پیدا کرتا ہے ۔ عمل خود اعتمادی پیدا کرتا ہے خود اعتمادی خدا کے اندر یقین کو اور زیادہ بڑھاتی ہے ۔ صحت اور زندگی کا یہی دائرہ ہے جو آگ کی طرح اوپر چڑھتا چلا جاتا ہے ۔"

اسلام کا یہ زندگی بخش پیغام ہمیں ایک ایک مسلمان کے دل تک پہنچانا ہے زندگی ہمیں ایک ایک گھر میں پھیلانی ہے ۔ ہر جگہ مسلمانوں کو اسی طاقت اور نیکی کے لئے منظم کرنا ہے ۔ تاکہ مسلمان اس دور ابتلا سے حسن وخوبی کے ساتھ نکل سکیں ـــ

آج کل مسلمانوں میں ایک جوش ہے ۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے واقعات نے ان کی ملی حس کو بیدار کر دیا ہے ۔ "اسلام" کا نام ان کی زبان پر ہے ۔ لیکن ذرا غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ مسلمان کا یہ تعلق اسلام سے محض جذباتی ہے ـــــ میں جذبات کی طاقت کو سمجھتا ہوں ۔ لیکن ان کی کمزوری سے بھی اچھی طرح واقف ہوں ـــــ جانتا ہوں کہ جذبات کو قائم رکھنے کے لئے ٹھوس بنیاد اور مستقل مقصد کی ضرورت ہے ۔

برعظیم ہند و پاکستان میں جہاں ایک طرف مختلف قوموں کی کشمکش چل رہی ہے ۔ وہیں مختلف طبقات کی کشمکش بھی جاری ہے ۔ غریب کسانوں ۔ مزدوروں دستکاروں اور چھوٹے ملازموں میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے ۔ یہ

بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی ۔ نہ یہ بات نظر انداز کرنے کے قابل ہے ۔۔۔ وہ وقت دور نہیں ۔ جب امیر اور غریب کا تصادم وقت کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے گا ۔

بے انصافیوں کے قائم رہنے میں جن لوگوں کا فائدہ ہے ۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ بہت دن یہ بے انصافیاں قائم رہ سکتی ہیں ۔ جس طرح ایک قوم کا دوسری قوم پر ظلم مٹنے والا ہے ۔

اسی طرح ایک طبقہ کا دوسرے طبقہ پر ظلم بھی مٹنے والا ہے خواہ آج اس ظلم کا قلعہ کتنا ہی مضبوط نظر کیوں نہ آتا ہو ۔

اگر مسلمانوں کے "اسلام" سے تعلق کو محض جذباتی سطح پر ہی رہنے دیا جائے گا تو یہ تعلق زندگی کی تلخ اور ٹھوس حقیقتوں کے سامنے زیادہ دن تک قائم نہیں رہ سکتا ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان عوام کی ایک مضبوط تنظیم ہو ۔ خود ان میں صحیح حس اور شعور بیدار ہو ۔ خود ان میں ایک اصلاح کا جذبہ اور انقلاب پیدا ہو ۔ خود ان میں ایک سرداری کی شان پیدا ہو ۔۔۔ ان کی اقتصادی مشکلات میں ان کا حل ان کا اسلام ان کے سامنے پیش کرے ۔ وہ لوگ جو مالدار طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہے کہ وہ بھی عوام میں سے بنیں اور عوام کی تنظیم میں شامل ہوں غریب مسلمان اپنے مفاد کو خود اپنے ہاتھ میں لیں ۔ خود اپنے مسئلوں کو حل کریں ۔ خونِ رگِ مزدور سے خواجہ بہت دن تک شراب نہیں بنا سکتا ۔۔ وہ خدا کی جفاؤں سے بہت دن تک کشتِ دہقاں خراب نہیں رہ سکتی ۔۔۔ یہ

بات غلط ہے کہ اسلام مظلوم انسانیت کی دستگیری نہ کرے - بلکہ یہ تو خود اسلام کے امتحان کا وقت ہے - اسی امتحان میں کامیابی سے اسلام کا نیا دور زندگی شروع ہوگا -

اسلام غریبوں ہی میں پیدا ہوا - انہوں نے اس کو پروان چڑھایا - آج بھی غریب ہی اس کی پشت پناہ ہیں اور کل اس میں نئی زندگی بھی غریب ہی پیدا کریں گے - اگر ایسا نہیں ہوگا تو غریبوں کا جو اسلام سے جذباتی تعلق ہے وہ ختم ہو جائے گا - اور طبقاتی ظلم کمیونزم کی کسی شکل کے ہاتھوں ختم ہو کر کوئی اور صورت اختیار کرلے گا - یہ وقت کی پکار ہے - جس کو جس قدر مسلمان جلد سن لیں اور اس کو حل کرنے میں مصروف ہو جائیں اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہے -

ہمارا اولین عقیدہ ہے کہ مسلمان ایک مخصوص ملت ہیں اور یہ انقلابی تحریک حقیقت میں اسی عقیدہ کا عملی نتیجہ ہے - اسلامی اخلاق کو رائج کرنا ہی اس کا مقصد ہے - یہی عقیدہ ہماری بنیاد ہے - اور یہی عقیدہ ہماری بنیاد رہے گا -

ہمارا مستحکم یقین ہے کہ مسلمان اجتماعی حیثیت سے کسی بھی غیر اسلامی نظام سے تعاون کریں - (ضرورت ایسا کرا سکتی ہے) لیکن کسی غیر اسلامی نظام کے اثر میں رہ کر اس کے ذریعہ ترقی ناممکن ہے -

سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی - اسی نے آئینی دور میں پاکستان کا پروانہ عملداری دلایا - لیکن

اب آزاد پاکستان میں جب تک مسلمانوں میں اسلامی زندگی رائج نہ ہوگی۔ مسلمانوں کی حالت صحیح معنوں میں سنور نہیں سکتی۔

یہ اصلاح اور انقلاب خود ایک مکمل کام ہے۔ جو ایک آزاد ماحول۔ بلند نگاہ اور خودداری چاہتا ہے۔ جس طرح اس کام میں کسی سیاسی جماعت کی مخالفت کرنے سے اور مقابل ہونے سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ کام کسی سیاسی جماعت میں مدغم ہونے سے بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

ہر سیاسی اور مذہبی عقیدہ کا مسلمان اس تحریک میں شامل ہو کر ملت کی فلاح اور بہتری میں ہمارا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔

ملت کی ہر موقع پر مناسب خدمت کرنا ہی ہمارا راہ عمل ہے مسلمانوں کی اسلامی تنظیم ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ ان میں غیر اسلامی ذہنیت اور طریق نہ پھیلنے پائیں۔ بلکہ ان میں خود اپنے مستقبل کو تعمیر کرنے کی اہلیت پیدا ہو۔

ہمارے پیش نظر ایک ایسی منظم اور فعال جماعت ہے۔ جو ملت کی خدمت کرکے اس کا اعتماد حاصل کرے اور
اسلامی انقلاب کو بروئے کار لائے۔

چھٹا باب

ہمارے بنیادی اصول

دَاعِی اِلَی الحق

خدا کے سپاہی اور فقیر بنو!
ملت میں طاقت اور نیکی پیدا کرو!!
دنیا میں عدل قائم کرو !!!

(۱)

یہ دنیا جہاں جنگ ہے، موت ہے۔ تخریب ہے۔ زوال ہے۔ جہاں ان سے گریز ممکن نہیں زندہ رہنے کا طریق کیا ہے؟

کیا انسان کی تقدیر میں یہی ہے کہ وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہے؟

کیا انسان وقت کی تلوار اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا؟

کیا اس جنگ میں صلح کی، اس موت میں زندگی کی، اس تخریب میں تعمیر کی، اس زوال میں دوام کی کوئی صورت پیدا کرنے سے وہ ازبس مجبور و معذور ہے۔؟

اللہ کے پاک رسولوں نے ان سوالوں کا جواب دیا ہے اور ہم اس جواب کی روشنی میں ان الجھنوں سے نکل سکتے ہیں۔ صرف فکر صحیح، عزم محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہے ــــ دیکھیئے ہمارے چاروں طرف کا ماحول بدلتا رہتا ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ خدا کے قانون کے مطابق اس ماحول کو بدلے ــــ اگر دنیا میں فساد ہے، ظلم ہے، بھوک اور ننگ ہے، غلامی ہے، ذلت و مسکنت ہے سرکشی و عدوان ہے تو اس دنیا کو پاش پاش کر کے دوسری دنیا آباد کرے۔ خدا کی مشیت کو اپنا ارادہ بنائے اور خدا کے قانون کو دنیا پر غالب کرے۔ اس کوشش میں وہ اپنی تمام طاقتیں صرف کر دے۔ اپنی جان، اپنا مال، اپنی خواہش، اپنا

ارادہ سب اسی مقصد کے لئے ہیں ۔ اس راستہ میں جو رکاوٹیں آئیں ان کو اپنے بے پناہ عمل سے اور اپنی "قیمت" کا لحاظ کئے بغیر دور کرے اور اس غرض سے کہ وہ نئی دنیا کو تعمیر کرنے کے قابل بن سکے ۔ اور پرانے زمین و آسمان کو بدل سکے ۔ پہلے خود اپنے آپ کو بدلے، اپنے نفس کے "تکبر" کو ختم کرے ۔ حرص و شہوت کی آگ کو زیر کرے ۔ ظلم کے تاریک سلگتے ہوئے نقطہ کو دل سے دھو دے ۔ خوف، بے یقینی بے عملی اور بے حسی کے شیطانوں کو اپنے اندر سے نکال پھینکے ۔ خدا کا سپاہی بننے کے لئے لازمی ہے کہ پہلے خدا کا فقیر بنے ۔ "جہاد اصغر" کے لئے لازم ہے "جہاد اکبر" کرے ۔ جہاد بالسیف کی خاطر پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے، دنیا کے بت توڑنے کے لئے اپنے دل کے اندر کے بت توڑے ۔ زمین و آسمان کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو بدلے ۔ یہی طاقت اور نیکی کا زندہ اور متحرک امتزاج ہے ۔ یہی زندگی کو بہتر سے بہتر اور اپنی صلاحیتوں کو برتر سے برتر کرنے کا کبھی نہ ختم ہونیوالا راستہ ۔ یہی زندگی کو بلند سے بلند سطح پر لے جانے کی کوشش اور اپنے ایک مقصد کی خاطر اپنی ہر عزیز شے کی قربانی ——— یہی "ایمان و عمل صالح" زندگی کا راز اور حقیقی جہاد ہے ۔ یہی اللہ کے پاک رسول کا جان آفرین اصول ہے ۔ جو مومن "حق کو" بشیر و نذیر" بناتا ہے اور وہ اللہ کی مخلوق کے لئے "حق و باطل" کا میزان بن کر اپنا فرض ادا کرتا ہے ——— زندگی کی لہریں اس کی حرکت کے تموج کی رہین منت ہوتی ہیں ۔ یہی وہ مرد خدا اور مومن حق ہے جو دور حاضر کا "براہیم" ہے ۔ تحریک اصلاح اسی براہیم کی تلاش میں اپنے جانبازوں کو لگا رہی ہے اور ہمارے کارکنوں کی نگاہیں اسی "براہیم" کے لئے

فرشِ راہ ہیں۔

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالکِ راہ علمِ فقیری
فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے قابل؟
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری
خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی
ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری
"افرنگ" زخود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری، تو نذیری

اقبال ؒ

(۲)

تحریکِ اصلاح کی بنیاد یقین ہے کہ سیاست محض ملّت کی زندگی کا ایک مظاہرہ ہے۔ جس قوم میں زندگی نہیں اس کی سیاست مکڑی کا جالا ہے

زندگی سیاست سے نہیں پیدا ہوتی ایمان اور عمل سے پیدا ہوتی ہے

ملّت کی قسمت اس وقت بدلے گی جب ملت کا اخلاق بدل جائے گا۔ یہی خدائی قانون ہے ـــــ کوئی قوم محض سیاست کے زور پر نہ بڑھی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کا راز خود ان کے اخلاق میں مضمر ہے۔

یہ تحریک تجدید و احیائے ملت کی کوشش ہے۔

سیاست کے ذریعہ نہ قوم میں تنظیم پیدا ہو سکتی ہے نہ بین الاقوامی کشمکش سے نجات مل سکتی ہے۔ زمانہ کی رفتار شطرنج کی چال نہیں ہے۔ ایمان اور عمل کا

کھیل ہے ۔ اس "تحریک" کا منشا یہ نہیں ہے کہ وہ خود موجودہ سیاست کی
بھول بھلیوں میں پڑ کر اپنے سیدھے راستے کو کھو دے ۔ بلکہ اس کا مقصد مسلمانوں
کی سیاست میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے ۔

ہمارا منصب یہ ہرگز نہیں کہ لڑ جھگڑ کر جھوٹ ' سچ ۔ پروپاگنڈے سے
دھوکہ یا فریب سے ' غلط وعدے وعید سے اپنی ایک سیاسی حیثیت قائم کر لی جائے
ہم فرعونی طاقت کے نہ پرستار ہیں اور نہ حریص ۔ خدا نہ کرے کہ تحریک ڈاکوؤں کا
ایک گروہ یا ٹھگوں کی سازش بن جائے ۔ ہماری زندگی کی روح یقین ہے ۔ کہ
انجام کار فتح نیکی ہی کو ہوتی ہے ۔ یہ فتح لازمی ہے ۔ اہم ہے اور اسی فتح کو
دوام ہے ۔

اچھے بیج سے اچھا پھل اور برے بیج سے برا پھل پیدا ہوتا ہے ۔
نیک مقصد کے لئے ذرائع بھی نیک ہونے چاہئیں ۔ وسائل ہی مقصد کی
تشکیل کرتے ہیں ۔

جو لوگ دنیا کی اصلاح چاہتے ہیں ۔ ان کو خود اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی
چاہیئے ۔ اگر تم زمین اور آسمان کو بدلنا چاہتے ہو ۔ تو پہلے اپنے آپ کو بدلو ۔۔۔
"اصلاح" اسلام کے چند شعائر یا ارکان کے رسمی طور پر ادا کرنے کے بعد اپنے
اندر پندار تقدس پیدا کرنے کا نام نہیں ہے ۔ "اصلاح" تھوڑی سی دوڑ دھوپ کے
بعد قوم پر احسان رکھنے یا اس کی ناشکری کی شکایت کرنے کو بھی نہیں کہتے ۔

"اصلاح" کی طرف پہلا قدم یہ ہے اپنے آپ کو الٹ سے اس طرح واقف
کر دیا جائے کہ اس کی کوتاہیاں اپنی کوتاہیاں محسوس ہوں اور اس کی اچھائیاں خدا

کی زحمت معلوم ہوں ـــــ تحریک کو جھوٹ ۔ بے جا الزامات اور ذاتیات سے پاک ہونا ہے ۔ اس کا عقیدہ یہ نہیں کہ ایک جھوٹ کو بار بار دہرائیں تو وہ سچ ہو جاتا ہے یا اگر جھوٹ سے کچھ فائدہ ہوتا نظر آئے تو وہ جائز ہے ۔ اس کے برعکس تحریک تو حق کو ہر حال میں حق سمجھتی ہے اور اعلائے کلمۃ الحق کو "مسلمان" کی زندگی کا واحد منتہا قرار دیتی ہے ۔

تحریک کو پھیلانے کے لئے مضبوط منظم ۔ با ارادہ اور باعمل جماعت کی ضرورت ہے لیکن یہ جماعت فرد کو کچلنے کے لئے نہیں اس کی دستگیری کے لئے وجود میں آئے گی ـــــ آدمیوں کی جماعت لوہے کی مشین نہیں ہوتی اور نہ دماغ اور ضمیر کو قربان کر کے حقیقی ڈسپلن پیدا ہوتا ہے ۔ ہاں ذاتی مفاد کو ملی مفاد کے لئے قربان کرنا بجا طور پر ضبط کا پہلا اصول ہے اور یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان کی علمی اور رُوحانی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے ۔

مذہب کی بنیاد فرد کی اہمیت اور قدر شناسی پر ہے ۔ اللہ کی نظر میں حقیر سے حقیر انسان عزیز ہے ۔ ملت اسلامیہ کی تاسیس کا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک طرف فرد اپنی معراج کو پالے اور دوسری طرف انسانیت کا معیار بلند ہوتا چلا جائے ۔

بُت پرستی یا حق پرستی سے جو جماعت پیدا ہوتی ہے وہ فرد کو کچلتی ہے ۔

خدا پرستی یا حق پرستی سے جو جماعت پیدا ہوتی ہے ۔ اس میں فرد کی انتہائی ترقی کا راز ہے ۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے حقیقی نیکی کے چشمے اُبلتے ہیں حقیقی آزادی کا راستہ کٹھن ہے ۔ اس میں جگہ جگہ پسینہ کے دریا ۔ آنسوؤں کی ندیاں ۔ خون کے نالے اور لاشوں کی پہاڑیاں ہیں ۔ یہ وحشت ناک رکاوٹیں عبور کرنے کی ہمت اس وقت تک

نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلمانوں کے دلوں میں نیک جذبات سمندر کی لہروں کی مانند جوش میں نہ آئیں ۔ جب تک وہ اپنے آپ کو ان تمام عیوب سے پاک نہ کر لیں ۔ جن کا مرتکب غیروں کو ٹھہرایا جاتا ہے ۔ جب تک ان کے اندر وہ خوبیاں نہ پیدا ہو جائیں ۔ جو بلند مرتبہ قوموں میں پائی جاتی ہیں ——— یاد رکھو زبان پر قرآن اور دل میں شیطان لے کر مسلمان ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے ۔

آج ہماری ملت نہایت نازک دور سے گزر رہی ہے ۔ سیاستدان اپنی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں ۔ خدا ان کی کوششوں کو ملت کے حق میں مفید کرے لیکن ہمارے نوجوانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف یہ سیاست ملت کی موجودہ حالت کا حل نہیں ہے ۔ اس لئے ان کو چاہیئے کہ خواہ ان کی سیاست کچھ ہو وہ تنظیم ملت کے اہم کام کو نہ بھولیں ۔ تجربہ یہ بتاتا ہے ۔ کہ تنظیم ملت کا کام محض سیاست کے ایک پہلو یا ایک (SIDE - SHOW) کے طور پر سرانجام نہیں دیا جا سکتا ۔ بلکہ اس کے لئے وقتی سیاست سے زیادہ بلند سطح ۔ زیادہ گہرائی اور زیادہ گیرائی کی ضرورت ہے ۔ یاد رکھو تمہاری ملت کی گتھیاں بالآخر بہت زیادہ سمجھداری ۔ ذہانت اور قانون دانی سے نہیں بلکہ صحیح غیرت اور حس پیدا کرنے سے طے ہوں گی ۔

سیاسی جماعتیں بنانے سے نہیں بلکہ ملت کی بحیثیت ملت تنظیم کرنے سے طے ہوں گی منطق سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین سے طے ہوں گی ۔

فرنگی سیاست کے انداز پر شطرنجی چالیں چلنے سے نہیں بلکہ نیکی اور طاقت پیدا کرنے والے عمل اور قربانیوں سے طے ہوں گی ۔

جب ایمان اور یقین کی سوتوں سے عمل کا طوفان ابلتا ہے تو اس میں مشیت خداوندی

اور تقدیرِ الٰہی کی شان ہوتی ہے ۔ انسان کے چھوٹے چھوٹے ارادے اور منطقیں سمجھداریاں اور ہوشمندیاں، تدبر اور تدبیریں خس و خاشاک کی طرح بہے چلے جاتے ہیں ۔

(۳)

عنقریب دنیا میں قیامت خیز انقلاب پیدا ہونے والا ہے ۔ فرعونیت اور شیطنت کے خلاف حریت اور صداقت کا طوفان اٹھنے والا ہے ۔ دنیا کی تاریکی دور ہو کر نورِ الٰہی پھیلنے والا ہے ۔ فی الحقیقت یہ انقلابی عمل تقریباً گزشتہ تیس سال سے جاری ہے اور غالباً آئندہ بیس سال میں نہایت سرعت کے ساتھ مکمل ہو جائے گا ۔ پہلی جنگ نے قیصرِ جرمنی زار روس، شاہ اٹلی، شاہ ہسپانیہ کا خاتمہ کر کے دنیا کو جابر شہنشاہیت سے نجات دی تھی ۔ مطلق العنان بادشاہوں کے ظلم و ستم سے مرجھائی ہوئی قوموں کو طاقتور بنا دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈکٹیٹر (DICTATOR) نمودار ہوئے ـــــ چنانچہ دوسری جنگ شروع ہوئی اور ڈکٹیٹر شپ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ۔ چرچل قسم کے لوگ بھی بساطِ سیاست میں پٹ گئے ۔ مگر اس کے باوجود دنیا میں بے اطمینانی اور پریشانی جاری رہی ۔

سرمایہ داروں، نوابوں اور زمینداروں کی حرص و ہوس بدستور قائم ہے انسانی حیثیت کا معیار صرف دولت ہے ۔ اس لئے ہر شخص اسی "شے" کو ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے میں منہمک ہے ۔ یہی سبب ہے کہ چاروں طرف نفسی نفسی اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے ۔ مفلسوں کی آہ و فریاد، یتیموں کی گریہ و زاری اور بیواؤں کی نوحہ گری کا کسی پر کچھ اثر نہیں ۔ بہرحال چند سال میں مظلوموں کے آنسو سیلاب بن کر انسان کے خود ساختہ قانون کو غرق کرنے والے

ہیں اور تیسری فیصلہ کن اہمی جنگ کے بعد دنیا کا نظام از سر نو تعمیر ہوگا۔ اور اس کی بنیادیں قانون الٰہی یعنی "اسلام" پر قائم ہوں گی۔ دراصل یہ انقلاب شروع ہو چکا ہے۔ اسی انقلاب کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے یہ "تحریک" وجود میں آئی ہے۔ بعض لوگ "اسلام" کو مولویوں اور مسجدوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اسلام مذہب ہی نہیں دین ہے۔

اسلام صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ہی مجموعہ نہیں وہ تو ایک بین الاقوامی الہامی تحریک ہے اور اس زنجیر کی آخری کڑی ہے جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک ہاتھ سے پڑی تھی۔

اس نظریہ کے مطابق دنیا کا ہر الہامی مذہب ارتقائے اسلام کی کسی نہ کسی منزل کا نام ہے تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نبیوں نے ساری عمر حجروں میں بیٹھ کر عبادت ہی نہیں کی۔ بلکہ وہ ہمیشہ دنیا کو ظلم و ستم سے بچانے میں کوشاں رہے اور لوگوں میں خداوند تعالےٰ کے پیغام کی تبلیغ کی۔ کیا حضرت موسےٰؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور رحمۃ العالمین نے ظالمانہ شہنشاہیت یا عوام کی بربریت کے خلاف جہاد نہیں کیا۔ جب خدا کے فرستادہ مذہبی لیڈروں نے بددیانتی کذب، ظلم اور شیطنت کا قلع قمع کرنے کی مسلسل کوشش کی تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان برائیوں کے خلاف جہاد نہ کریں۔

پاکستان تو ہمیں ملا ہی اس لئے ہے کہ ہم اس انقلابی پروگرام کے لئے اسے تجربہ گاہ بنائیں پاکستان ہمیں جان سے پیارا ہے۔ یہاں ہم ایسا نظام قائم کر کے رہیں گے جس میں امیر اور غریب سے یکساں سلوک ہوگا۔ جس میں سرمایہ داری اور زمینداری کے زہریلے اثرات نہ ہوں گے۔ جس میں افسران حکومت کی حیثیت خادمِ ملت کی ہوگی۔ جس میں رشوت ستانی، شراب نوشی، زنا، چوری، ریاکاری اور مردم آزاری سنگین جرائم قرار دئے جائیں گے جس میں خود غرضی، تکبر و غرور، ظلم و ستم، عیش پسندی اور جاہ پسندی کے خلاف سزائیں مقرر ہوں گی۔ جس میں بیوائیں، یتیم بچے اور بوڑھے اطمینان

کی زندگی بسر کریں گے جس میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا جس میں ہر مذہب کو پوری پوری آزادی ہوگی۔ آج ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسے پاکستان کے لئے "صالح اصل" بن کر میدان میں آئے۔ "صالح" سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہ حجرہ میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھے اور زندگی کے عملی میدان میں نہ نکلے۔ فرد کی نیکی کا اصل اظہار جماعت کی مضبوطی میں ہوتا ہے۔ آج ہماری نمازوں میں وہ روحانی جوش اور ولولہ پیدا ہوجانا ضروری ہے جو قرن اول کے مسلمانوں کی نمازوں میں اور جماعتوں میں ہوا کرتا تھا۔

نماز بذات خود جنت کا راستہ نہیں بلکہ یہ وہ صفات حسنہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں جنت کا حقدار بناتی ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کی نمازیں رسمی بے روح اور بے اثر ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ شراب خانے کے اندر چار غیر آدمی ایک میز پر بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور پھر تمام عمر کے لئے بھائی بن جاتے ہیں اسی طرح چند دن قمار خانہ میں بھی یگانگت اور یکجہتی قائم ہوجاتی ہے۔ برخلاف اس کے مسجدوں کے اندر سالہا سال تک دوش بدوش کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمانوں میں مساوات اور اخوت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ مسلمانوں نے نماز کی اصلی غایت وغرض کی طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ ایک عیسائی مورخ کا قول ہے کہ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی نمازیں اسلامی قوت کی بنیادیں تھیں اور مسجدیں اسلام کی چھاؤنیاں مگر افسوس کہ زمانہ حال کے مسلمانوں نے ان حقائق پر کبھی غور نہیں کیا

(۴)

ہم آج ایک ایسی جگہ پر آ کھڑے ہوئے ہیں کہ آگے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ سارا اسلامی پریس اسی بات کے لئے چیخ رہا ہے، تو ہم کو لازم ہے کہ بغیر اس بات کا انتظار

کئے ہوئے کہ اس راستہ پر کوئی منزل ہے بھی یا نہیں ہم ایسی تیاریاں شروع کر دیں جن سے منزل تک پہنچنے کے لئے راستوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں بلکہ یقین ہے ہمارا خطاب خصوصاً ملت کے بے غرض اور حساس عوام سے ہے آپ کا فرض اب یہ نہیں کہ ہمارے لیڈر جو کچھ کریں ہم اس کو دیکھتے رہیں یا تعریف کرتے رہیں یا گالیاں دیتے رہیں۔ ہمارا فرض اب یہ ہے کہ نئے حوصلے، نئی امنگوں اور نئے ولولوں کے ساتھ نئے راستوں کی تلاش میں نکلیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو آزاد پاکستان اور دور غلامی میں ہم نے کوئی فرق نہیں کیا۔

یہ بات اب روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اگر کوئی صورت آگے بڑھنے کی پیدا ہو سکتی ہے۔ کوئی نیا راستہ نکل سکتا ہے تو وہ اس طرح کہ :۔

ا۔ مسلم عوام میں جو اب تک قومی زندگی میں مہروں کی حیثیت رکھتے ہیں ایک عام بیداری ایک صحیح حس اور شعور پیدا کیا جائے۔ یہی طاقت کا وہ خزانہ ہے جس کو اب تک وقتی مفاد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی پوری صلاحیتوں سے ابھی اچھی طرح واقفیت بھی پیدا نہیں ہوئی۔ متوسط طبقہ کا کام یہ نہیں ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے حاشیہ نشین بنے رہیں ان کا تاریخی کام اب یہ ہے کہ وہ عوام میں جا کر کام کریں اور ان کو منظم کریں۔

ب۔ عوام میں کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اسلامی طریق پر منظم کر کے نیکی اور طاقت کی طرف لائیں، یہ تو بنیادی تنظیم ہے اور پھر اقتصادی بنیاد پر ان کی تنظیم کر کے ہمارے کسانوں، مزدوروں، دستکاروں کو جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا خود ان کو اہل بنائیں۔

آج ہر سمت سیاسی بے قراری اور بے چینی میں "آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے" کا نعرہ

گونج رہا ہے۔ یہ نعرہ اتنا ہی سطحی ہے جتنی آج کی سماج کی دوسری اخلاقی اور مذہبی قدریں سطحی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی پیدائشی حق نہیں نہ آزادی نہ صحت نہ تندرستی اور نہ توانائی ۔ ہمارا کھانا پینا اور رہنا سہنا۔ ہمارا زر و دولت اور عیش و آرام الغرض کوئی شے ہمارا پیدائشی حق نہیں ۔ ہاں اگر کسی شخص کو کچھ حاصل کرنا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے نہایت شدومد اور دیانتداری کے ساتھ جد و جہد کرے ۔ کیونکہ اللہ کے راستہ میں بے دھڑک اور دیوانہ وار سعی کرنا انسان کا فرض ہے اور بندہ کی بے لوث محنت و مشقت کا معاوضہ بخشنا خداوند تعالےٰ کا وعدہ۔

ہاں ایک شے ضرور ایسی ہے جس کو صحیح معنوں میں "پیدائشی حق" کہا جا سکتا ہے اور یہ حق ہر شخص کو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے ۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ۔ شاہ ہو یا گداگر ۔ عالم ہو یا جاہل ۔ امیر ہو یا غریب ۔ گورا ہو یا کالا ۔ اللہ کا روسیاہ باغی ہو یا اس کا تابعدار غلام ۔ غرضیکہ کوئی فرد اس سے محروم نہیں رہتا ۔ یہ عجیب و غریب حق بلاشبہ اور ہر لحاظ سے انسان کا پیدائشی حق تصور کیا جا سکتا ہے انسان کی موت ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ نیکی کے راستہ میں اپنے پیدائشی حق کو حاصل کرنے کا مسلمانوں کو کس قدر شوق ہے ۔ کیا وہ واقعی مومن بن کر جام شہادت پینے کے متمنی ہیں ۔ کیا در اصل ان کے دلوں میں اپنے خالق کی اس قدر محبت ہے کہ اس کے لئے اپنی جانیں بھی نثار کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ کیا حقیقت میں وہ اپنا خون بہا کر پاکستان میں آزادی اور خوشحالی قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو وہ سچے مومن ہیں ؎

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی جو تھی نعرہ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

اقبالؒ

ساتواں باب

ہماری جماعتوں کی نوعیت

داعی الی الحق

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کی راہ

حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ (اقبال)

(۱)

ہمارے قلیل التعداد کارکن جگہ جگہ مسلمانوں میں جا رہے ہیں اور حتی الوسع اُن کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کو یہ مختصر باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینی ہیں:۔

۱۔ جب ہمارے کارکن مسلمان عوام میں جائیں تو یہ بھول جائیں کہ وہ کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ امیر اور غریب طبقوں نے ہماری ملت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ غریبوں میں اعتماد کی کمی ہو گئی اور امیر بزدل ہو گئے۔ یاد رکھو ہمارا رہنا سہنا۔ ہماری میز کرسیاں۔ ہماری صحبتیں اور انجمنیں وہ دیواریں ہیں جو ہم کو ملت کے عوام سے علیحدہ کئے ہوئے ہیں ان دیواروں کو گرا دو۔ تاکہ ملت میں یگانگت اور زندگی کی صحیح ہوا پیدا ہو۔

عوام میں کام کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کبھی کبھی تم اُن میں چلے جاؤ۔ گویا آسمان سے اتر کر آئے ہو کچھ الٹی سیدھی باتیں ان سے کر لو اور پھر اپنی تنگ

اور اونچی زندگی میں اپنا منہ لپیٹ کر غائب ہو جاؤ۔

عوام میں صحیح کام یہ ہے کہ تم اُن کے درمیان اس طرح رہنا شروع کرو کہ وہ تم کو اپنا ساتھی اور دُکھ درد میں شریک بھائی سمجھیں۔ تمہیں اپنے میں سے خیال کریں۔ انہیں یقین آجائے کہ گو ظالمانہ سوسائٹی میں تم اُن کو فوراً ظلم سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ لیکن اُن کے دُکھ میں شریک ضرور ہو۔

۲۔ دوسرے یہ بات یاد رکھو کہ تمہیں بھیڑیں رکھی نہیں کرنی۔ تم اپنی بنیاد ایسی وسیع رکھو جس میں مختلف عقیدہ (سیاسی یا مذہبی) کے مسلمان جمع ہو سکیں تحریک کے اصول اتنے جہاں گیر اور جہاں آرا ہیں کہ اُن کی وسعت میں سب کچھ موجود ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تمہارا ظرف بھی اتنا ہی عالی ہو۔ تاکہ تم اس وسعت کو سمجھ سکو۔

بحث اور دلیل نہیں خدمت اور قربانی ہمارے ہتھیار ہیں اور ان سے ہی جماعت کو مضبوط اور منظم کرنا ہے۔

بھیڑ میں سے جماعت" تیار کرنا آسان کام نہیں۔ بھیڑ جمع کرنی بہت آسان ہے۔ لیکن بغیر جماعت" کے دُنیا کا کوئی بڑا کام نہیں ہو سکتا۔

جب لوگ کثیر تعداد میں تمہارے اردگرد جمع ہو جائیں تو تم اپنے دل کو تسلی نہ دے لو کہ تمہارا مقصد کامیاب ہوا۔ اس وقت اپنی ذمہ داری کو زیادہ محسوس کرو اور سمجھو کہ یہ کچا لوہا ہے جس میں سے تمہیں ایک چمکتی ہوئی تلوار تیار کرنی ہے۔

۳۔ نئی جماعتیں بننی شروع ہو گئی ہیں لوگ ہمارے پیغام پر توجہ دیتے

لگے ہیں. گویا تحریک پھیل رہی ہے اور زیادہ نئی جماعتوں کا مواد جمع ہو رہا ہے۔
اب انشاءاللہ العزیز یہ کام زیادہ تیزی سے بڑھے گا۔

وقت کی رفتار بہت تیز ہے لیکن ہمیں اپنی جماعت کی بنیاد محض ایک وقتی جوش پر نہیں رکھنی ۔ ایسا کام پانی کے بلبلے کی طرح اٹھتا ہے اور جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے ۔ ہمیں جو قدم اٹھانا ہے . سوچ سمجھ کے اٹھانا ہے اور چونکہ زمانہ طوفانی ہے اس لئے اور زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ عمارت ٹھوس بنائی جائے ۔ بے تاب تمنا کو صبر کے سانچے میں ڈھال کر عشق کی رسم پوری کرنی ہے . کسی ظاہری فائدے کی خاطر اپنے مقصد اور اپنے اخلاق کا سودا نہیں کرنا ہے اس سودے میں ہمیشہ خسارہ رہتا ہے ۔ ابھی عام طور لوگ اچھی طرح نہیں سمجھتے ہیں کہ ہم کس نوعیت کی جماعتیں بنانے کے درپے ہیں کس قسم کی زندگی اور تنظیم اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ اسی لئے کبھی کبھی بیکار سوالات کرتے ہیں اور بے بنیاد شبہات ظاہر کرتے ہیں ۔ اس افراتفری کے زمانے میں جب نئی نئی زندگی کی لہریں پھیل رہی ہیں اور نئے نئے تصادم پیدا ہو رہے ہیں ۔ لوگ اندھیرے میں آپس میں دست گریباں ہو رہے ہیں اور نامعلوم منزل کی طرف بہے چلے جا رہے ہیں ۔ اس بات کی اور بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھیں اور اپنے مقصد اور منزل کو نگاہ میں رکھیں . تاکہ قدم میں استقامت اور عمل میں نتیجہ پیدا ہو ۔

۴ ۔ ہر قوم اور ملت کی ترقی کا راز یہ اس کے سامنے ایک ٹھیٹھ مقصد اور اس

مقصد میں ایمان ہونے کے اندر ہے ۔ لاریب ایمان اور یقین ہی زندگی ہیں۔
دیکھو مسلمانوں نے جو اس ملک میں فتوحات حاصل کی تھیں وہ اس لئے نہیں کی تھیں کہ وہ تعداد میں زیادہ تھے یا ان کے مخالف راجپوت بزدل تھے۔ مسلمان طاقت اور تعداد میں زیادہ نہ تھے اور راجپوتوں کی بہادری کا اعتراف مسلمانوں نے خود کھلے دل سے کیا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں آگے بڑھنے کا ولولہ تھا۔ اُن کے سامنے ایک زندہ مقصد تھا۔ اس مقصد میں یقین تھا، راجپوتوں میں یہ باتیں نہ تھیں اس لئے مسلمان فاتح اور غالب ہوئے۔

کل انگریز کے پاس سب کچھ تھا۔ وہ ایک زبردست جنگ فتح کر کے بیٹھا تھا۔ لیکن اس کی اخلاقی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ کوئی مقصد اس کے سامنے نہیں رہا تھا۔ اس لئے جگہ جگہ اس کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔

مسلمان ہندوستان میں غدر کے زمانہ تک بڑی بے جگری سے انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن اُن کی نگاہیں ماضی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ مستقبل کے متعلق مقصد تو کجا کوئی تخیل بھی اُن کے دماغ میں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اتنی قربانیوں کے وہ گرتے چلے گئے۔ ہمیں ان کے سامنے یہی مقصد رکھنا ہے۔ جو ہماری ملت کا مقصد اولین ہے۔ یعنی اس دنیا میں طاقت اور نیکی کے ساتھ رہنا۔

برعظیم ہند و پاکستان کے مسلمان خواہ وہ اقلیتی علاقوں میں ہوں یا اکثریت کے علاقوں میں ہوں، ایک ہی ملت ہیں۔ اُن کی موت اور زندگی ساتھ ساتھ ہے اقلیتی علاقوں کے مسلمان بھی اتنا ہی حق طاقت اور نیکی کے ساتھ زندہ رہنے کا رکھتے جتنا اکثریت کے علاقوں میں بغیر کسی ظلم کئے ہوئے رہنا ہے۔ اور اقلیت کے علاقوں

میں بغیر کسی کے ڈر کے بہادروں کی طرح زندہ رہنا ہے۔

۵۔ ہمارے مقصد میں ایمان اور یقین کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمارے دل کے حوصلوں پر، ہمارے عمل پر، ہمارے اخلاق پر پڑے۔ اکثر اوقات تو یہ مقصد زندگی میں اتنا گھل مل جاتا ہے۔ کہ اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض عمل سے ظاہر ہوتا ہے جب تک مقصد زندگی نہ بنے اس وقت تک وہ مقصد ہی نہیں ہوتا۔ اگر تم برعظیم ہند و پاکستان میں طاقت اور نیکی سے رہنا چاہتے ہو تو وہ کیا چیز ہے جو تمہیں ان علاقوں میں جہاں تم آباد ہو اسباب سے مانع ہے کہ تم طاقت اور نیکی سے رہو۔ دوسروں کی مخالفتوں کو مت دیکھو۔ اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھو ——— حقیقی کمزوریاں تو یہی ہیں۔ یہی بے حسی، غفلت، خوف ہے۔ جو نئی زندگی نہیں پیدا ہونے دیتے۔ تحریک کے بنیادی اصولوں پر غور کرو۔ اپنی جماعتوں کو دیکھو اور سمجھو کہ یہ طاقت اور نیکی کی زندگی آج ہی شروع ہو سکتی ہے۔ آج ہی تمہارے زمین و آسمان بدل سکتے ہیں کام کیوں نہیں ہوتا؟ محض اس لئے۔ کہ تم کام نہیں کرتے، ملت کیوں بے عمل ہے۔ محض اس لئے کہ تم عمل نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں، نہ کوئی وجہ ہو سکتی ہے، غور کرو اور پھر غور کرو کہ اگر ایک ایک علاقہ میں تم نے یہی نیکی اور طاقت اپنی زندگی کے شعار بنا لئے۔ تو زمانہ کچھ ہی کروٹ بدلے تمہیں زندگی سے محروم نہیں کر سکتا۔ نہیں یہ طاقت اور نیکی کی زندگی پھیلے گی اور پھیل کر رہے گی۔ اور تم بجائے زمانے کی موجوں پہ تنکوں کی طرح بہنے کے زمانہ پر اور اس کی موجوں پہ قدرت حاصل کر لو گے۔

دیکھو! زندگی کی سوتیں ابل رہی ہیں۔ طوفانی موجیں چاروں طرف اٹھتی ہوئی نظر

آرہی ہیں۔ بڑے بڑے انسانی گمانوں اور مہاؤں کے قلعے ان موجوں سے ختم ہونے والے ہیں۔ صرف وُہ بنیادیں قائم رہیں گی۔ جن میں نیکی اور نیکی کی طاقت۔ مقصد اور مقصد میں ایمان موجود ہے۔ یہی بنیادیں ہم نے قائم کرنی ہیں۔ ان کے بغیر ملّت کی تعمیر نہیں ہو سکتی!

۶۔ ملّت کی تنظیم اور اس میں ایک نئی زندگی اور نئی رُوح پھُونکنے کا کام اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم چھوٹی چھوٹی مخالفتوں اور چھوٹے چھوٹے سہاروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ یہ کام والنٹیروں (رضاکاروں) کی بھرتی سے بہت مختلف ہے۔ اس کام میں ملّت کے بڑوں اور چھوٹوں کی کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ یہ بات اس طرح نہیں ہو سکتی کہ بستی کے کسی ذی اقتدار آدمی نے چند آدمیوں کو بلا کر ایک قطار میں کھڑا کر دیا۔ یا ایک انجمن بنا ڈالی اور خود صدر بن کر خوش ہو گیا کہ یہ لوگ میری مرضی پہ چلیں گے اور میرا اثر ان لوگوں پہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

خدا کا اثر لوگوں پر ہوتا ہی اس وقت ہے جب ان پر کسی دوسرے کا اثر نہ رہے۔ —— قوم کی تنظیم کا کام کرنے سے ہوتا ہے۔ کروانے سے نہیں ہوتا۔ یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب اس کام کا کرنے والا انتہائی خود دار ہو۔ بلند حوصلہ ہو۔ انسانی رُعب سے بالاتر ہو۔ دُنیا کی بڑی بڑی طاقتوں اور اونچے اونچے بتوں کو خاطر میں نہ لائے۔ جب تک یہ خودداری، یہ بلند حوصلہ، یہ بے نیازی، یہ درویشی ہمارے کارکنوں میں پیدا نہ ہو گی اس وقت تک وہ ملّت کی تنظیم کا کام نہیں کر سکتے۔ وہ قوم کی بگڑی نہیں بنا سکتے۔

تحریک کے ہر خادم کو سمجھنا چاہئے کہ اُسے اپنے تمام غرور اور تکبّر کو ختم کر کے

صحیح خودداری کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ یہ مقصد کو حاصل کرنے کی پہلی کوشش اور اخلاق کی بنیاد ہے۔

۷۔ ہمیں ایک بلند مقصد یعنی طاقت اور نیکی سے زندگی بسر کرنا اپنے سامنے رکھنا ہے۔ اس مقصد کے اندر ایمان پیدا کرنا ہے۔ کہ اس مقصد کو دُنیا کی کوئی طاقت ہم سے چھین نہیں سکتی۔

یہ ایمان پیدا کرنا ہے اور اس زندگی کا بیج آج ہی بویا جا سکتا ہے اس کی ابتدا آج ہی کی جا سکتی ہے۔ یہ ایمان پیدا کرنا ہے کہ ہمارے اس عمل میں اللہ تعالیٰ دن دوگنی اور رات چوگنی برکت دیگا۔ ـــــ ہمیں یہ اخلاق پیدا کرنا ہے کہ ہم میں غرور اور تکبّر بالکل نہ رہے۔ ہم اپنی ملّت کے چھوٹے سے چھوٹے کمزور سے کمزور فرد کے ساتھ گھُل مِل سکیں۔ اور ساتھ ہی یہ خودداری اور بے نیازی پیدا کرنی ہے کہ بڑے سے بڑا چودھری اور بڑی سے بڑی طاقت ہماری نگاہ میں نہ سمائے اور اس مقصد اور اس اخلاق کے ساتھ، کوہ شکن عزم رکھ کر اپنی آخری قربانی دینے کی تیاری کر کے زمانہ کے حوادثات کا مقابلہ کرنا ہے، اُن پر قابو پانا ہے اور ایک نئی دُنیا کی تعمیر کرنی ہے ـــــ خدا ہمارے ساتھ ہو۔

آٹھواں باب

انقلابی دستورالعمل

داعی الی الحق

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

(اقبال)

(۱)

اس دستور العمل میں جن باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں :

(۱۔ ملی اساس کی تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں زندگی کا ایک تخیل اور مقصد اپنی تاریخ و روایات پر ایک یحا فخر، اپنے وجود کے معنی اور اہمیت کا اندازہ دنیا اور عالم انسانیت میں اپنے تعلقات اور رشتوں کا ایک احساس پیدا ہو۔ یہ بات خشک نظریوں، تھیسس (THESIS) اور تھیوریوں (THEORIES) سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ ایمان اور یقین کا کرشمہ ہے۔ تعمیر ملت اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ایک نقشہ کے مطابق مکان تعمیر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس طرح جیسے ایک بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے۔ یہ دستور العمل اسلامی انقلاب کا خاکہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی انقلاب کا مواد پیدا کرنے کا ایک طریق ہے۔ انسان کا کام سعی کرنا ہے۔ اس کو نتیجہ تک پہنچانا خدا کا کام ہے۔

ب: ہمیں اپنی قوم کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی غرض ہمہ پہلو تربیت کرنی ہے۔ زندگی کی لڑائی میں ان تینوں صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ تنظیم کے نام پر آدمیوں کو کٹ پتلی بنانا یا محض ہاتھ کھڑے کرنے والے، نشانے کے ہاتھی اکٹھے کر لینا انسانیت کی کوئی خدمت نہیں۔

ہمارے کارکنوں کو لازم ہے کہ ان میں جسمانی صلاحیت ہو۔ یعنی وہ تندرست ہوں اور استقلال سے کام کرنے والے ہوں۔ ان میں دماغی صلاحیت ہو۔ یعنی اُن کی آنکھ، کان اور سمجھ کھلی ہوئی ہوں اور ان میں اخلاقی صلاحیت ہو۔ یعنی وہ حق پر مضبوطی سے قائم رہ سکتے ہوں۔

ج:۔ ہمارا جماعتی ڈسپلن بہت سخت ہونا چاہئے۔ لیکن ہم کو اپنی مِلّت سے علیحدہ ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر نہیں کرنی۔ بلکہ ہماری جماعت کو ملّت میں گھس کر کام کرنا ہے ہمیں ملّت کا اعتماد حاصل کرنا ہے۔ اور بہت سے ہمدرد پیدا کرنے ہیں۔ ہم ایک جماعت بھی ہیں اور ایک تحریک بھی۔ بحیثیت جماعت کے بہت سخت اور بحیثیت تحریک کے نہایت لوچدار اور پھیلنے والے۔

ح:۔ یہ دستور العمل کوئی آخری اور حتمی چیز نہیں ہے۔ اس میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہ چل سکتا ہے اور جماعت کو منزل کی طرف چلا سکتا ہے۔ ساتھیوں اور ہمدردوں کو دعوت ہے اور ان سے درخواست ہے کہ وہ تجویزوں پر نظر اور اپنی تجویزیں روانہ فرمائیں۔

۱:۔ ورزش اور فوجی تربیت:۔

یہ سب سے اہم شعبہ ہے۔ ممکن ہو تو صبح کی نماز کھلے میدان میں پڑھی جائے۔ ورنہ بعد نماز کھلے میدان میں مختلف کھیل اور ورزشیں کی جائیں۔ یہ ہمارے کھلی ہوا کے جمنیزیم (GYMNASIUM) ہوں۔ جن میں بچے بوڑھے مرد اور عورتیں سب شریک ہوں۔ تحریک فوجی رضا کار یا پاکستان نیشنل گارڈز کا نظام جہاں موجود ہے وہاں خدام تحریک خود رضا کار اور گارڈ بنیں۔ دوسرے بھائیوں اور بہنوں کو

ان تحریکوں میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔

مقامی حکام کو ہر طرح اخلاقی اور عملی مدد دیں، تاکہ حکومت پاکستان کا یہ شعبہ ترقی پذیر ہو۔

۲۔ خدمتِ خلق :-

خدمت خلق ہمارے پروگرام کا نہایت اہم جزو ہے اس میں ایک زندگی اور معنی پیدا کرنے ہیں۔

ا۔ ایک صورت خدمت خلق کی انفرادی ہے یعنی کسی کا سودا سلف خرید کر دینا، بیمار کی دوا دارو۔ محلہ یا مسجد کی صفائی۔ آگ لگ جائے تو اُس کو بُجھا دینا وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں کارکنوں کو لازم ہے کہ اپنے محلہ پر اور اپنے محلہ والوں کی ضروریات پر عام طور سے نگاہ رکھیں۔

ب۔ اگر کوئی پروگرام قوم کی بہبود اور بہتری کا کسی جماعت یا حکومت کے ماتحت چل رہا ہے تو خدام تحریک اس میں بے دریغ حصہ لیں۔ مسلم لیگ یا کوئی مقامی جماعت اگر کوئی تنظیم کا کام کرنا چاہتی ہے یا "عوام" کے لئے کوئی امدادی کام کرتی ہے، یا کوئی اقتصادی پروگرام رائج کرنا چاہتی ہے۔ تو ہمارے کارکن ان تمام نیک کاموں میں بلا توقف شامل ہوں۔ اور جو کام اُن سے لیا جائے وہ کام نہایت خوشی سے انجام دیں۔

۳۔ آج کل خدمتِ خلق کا ایک نہایت ضروری اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مہاجرین کشمیر یا دوسرے مصیبت زدہ لوگوں کو حکومت کے ذریعہ یا قوم کے

باا ثر لوگوں کے ذریعہ آسانیاں بہم پہنچائی جائیں

غرض کہ خدامِ تحریک خدمتِ خلق کے ذریعہ قربانی اور نیکی کی ہوا اس طرح باندھ دیں کہ ہر جگہ "ملت" کا غریب طبقہ زندگی کی نئی لہروں سے سرشار ہو جائے۔

۳۔ معاشرتی اور تعلیمی پروگرام :-

شام کے وقت عام طور پر لوگ اکٹھے ہو بیٹھتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں اور اخباری خبروں کے متعلق بے مقصد رائے زنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ آپس میں مل بیٹھکر باتیں کرنے کا جذبہ انسان میں بہت گہرا ہوتا ہے اور اس کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے۔ ہمارے کارکن محلوں اور بیٹھکوں میں چھوٹے چھوٹے حلقے قائم کر سکتے ہیں۔ جہاں مختلف اخبار بھی آئیں۔ اُن کی خبریں سنائی جائیں۔ ان خبروں پر رائے زنی ہو۔ تحریک کا لٹریچر پڑھ کر سنایا جائے۔ اُن پر بحث وغور ہو۔ تاریخی واقعات اور حالاتِ حاضرہ بیان ہوں۔ اور ان کے متعلق گفتگو کی جائے۔

کارکن کی ہوشمندی یہ ہے کہ نہ تو وہ اس صحبت کو ایک مدرسہ بنا دے، جہاں سے لوگ متوحش ہوں۔ اور نہ گفتگو کو بالکل بے نتیجہ اور بے مقصد ہونے دے یہ تعلیمی حلقے بہت ضروری ہیں۔ ان میں تمام قوم کی ذہنیت بدلی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مدارسِ شبینہ اور مدارسِ بالغان قائم کئے جا سکتے ہیں۔ جہاں آوارہ بچوں اور جاہل بالغوں کی تعلیم کا بندوبست ہو سکتا ہے۔

اور اس سلسلہ میں مقامی جماعتوں اور انجمنوں سے تعاون کیا جا سکتا ہے جو اس میدان میں کام کر رہی ہوں۔

۴ :- تبلیغ :

تبلیغ کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

ا ۔ مثلاً ہر ہفتہ پبلک سے خطاب ۔ جمعہ کے دن یا اتوار کے دن اس خطاب میں عام اور فرسودہ قسم کی باتیں نہیں ہونی چاہئیں ۔ بلکہ کسی خاص مسئلہ یا موضوع کے متعلق جس میں لوگ عام طور سے دلچسپی لے رہے ہیں کوئی مفید حل یا تجویز ۔

ب ۔ تین تین چار چار خدام تحریک کو دیہاتوں میں جائیں اور اپنا پیغام پہنچائیں

ج ۔ لوگوں سے انفرادی طور پر مل کر تبادلہ خیالات کریں ۔

د ۔ ہر نیک کام اور خدمت میں نمایاں حصّہ لیں ۔ اس کے معنی خود نمائی نہیں ہیں ۔ دکھاوے کی نیکی مکّاری کی صورت ہے اور نہایت مذموم ۔ نیکی خود ہی موثر تبلیغ ہے ۔

ہ ۔ اپنے لٹریچر اور کتابوں کو لوگوں تک پہنچانا ۔ مسجدوں کے دروازوں پر اور چوراہوں پر فروخت کرنا یا ایجنٹوں کے ذریعہ فروخت کروانا ۔

اخباروں یا رسالوں کے ذریعہ اپنا کام اور پیغام پھیلانے کی کوشش کرنا ۔

۵ :- تربیت :-

تربیت کے لئے لازمی ہے کہ وقتاً فوقتاً علاقوں میں اجتماع اور کیمپ ہوں ۔ گروہ اتنے زیادہ نہ ہوں کہ لوگ اُن ہی میں لگے رہیں نہ اتنے بڑے ہوں کہ لوگوں کو دُور دراز مقامات سے آنا پڑے ۔ عام اجتماع کے علاوہ ناظموں اور کارکنوں کے علاقہ واری اجتماع ضروری ہیں جن میں موجودہ حالات اور موجودہ مسائل کے متعلق تبادلہ خیالات ہو ۔ اور ہم آہنگ پالیسی مرتب ہو سکے ۔ یاد رکھو ہمارے ذمہ دار کارکن جتنے

باخبر، ہوشمند اور مستعد ہوں گے۔ اتنا ہی اپنا کام تیز رفتاری سے چلے گا۔

۶۔ ملت کی شیرازہ بندی :-

ہم اگر اپنی خدمت اور تنظیم کرنا چاہیں بھی تو کر نہیں سکتے جب تک ہمیں صحیح علم نہ ہو کہ لوگ کن حالات میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صحیح علم کے بغیر صحیح عمل بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ آدمی ظن و تخمین یا دُور از کار نظریوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔

ہمیں اپنی قوم کی حالت سے پوری پوری طرح باخبر رہنا ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کہاں کہاں ہے۔ تعداد کیا ہے۔ کیا کام کرتے ہیں ہمارے دستکاروں کے سامنے خام مال خریدنے یا اشیاء کو فروخت کرنے کے سلسلہ میں کیا دشواریاں پیش آتی ہیں ؟

تم مزدُور اور سرمایہ دار کے جھگڑوں کی داستان آئے دن سنتے ہو۔ مزدُور اور سرمایہ دار کی لڑائی بھی سیدھی لڑائی نہیں رہی۔ فیکٹریاں زیادہ تر سرمائے سے چل رہی ہیں اور ان میں مزدوُروں کی حالت اچھی نہیں۔ سرمایہ دار اس بحرانی دور (TRANSITION PERIOD) سے کافی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اس طرح اپنی قوم میں اپنی پوزیشن مضبوط کر رہے ہیں۔ جب تک مفصل علم اس بات کا نہ ہو کہ مزدُور کارخانوں میں کس طرح کام کرتے ہیں ان کی کیا کیا شکایات ہیں۔ کیا کیا دشواریاں ہیں اس وقت تک کس طرح کوئی مفید کام کیا جا سکتا ہے تجارت یا صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے تو یہ علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

ہماری قوم ہمارا ایک گلہ ہے۔ اور ہمیں باخبر رہنا ہے۔ کہ ہماری بھیڑیں کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہیں اور کس کس حالت میں ہیں۔ تم کہو گے یہ بات بہت وقت چاہتی ہے۔ میں کہتا ہوں نہیں۔ جس علاقہ میں تم کام کر رہے ہو وہاں ان معلومات

کا حاصل ہونا بہت آسان ہے ایک جگہ جو تجربہ ہوتا ہے اس کی قیمت اور اہمیت صرف وہیں تک محدود نہیں ہوتی ۔ کام کی اہمیت صرف اس کے دائرہ کی وسعت میں ہی نہیں بلکہ اس کی گہرائی میں ہے ۔

تم کہو گے کہ ملک میں افراتفری کا عالم ہے ، حالات غیر یقینی ہیں ۔ انتقال آبادی نے اس کام کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے ۔ لیکن جب حالات غیر یقینی اور غیر مستقل ہوں تو داعیانِ حق بوکھلا یا نہیں کرتے ۔ ہوش و حواس نہیں کھو بیٹھتے ۔ ایسی حالت میں تو اس بات کی اور بھی ضرورت ہے ۔ کہ آدمی اپنے ماحول سے واقف ہو ۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ واقفیت ہی عمل کی راہنمائی کر سکتی ہے ۔ ملت کا شیرازہ اسی طرح بندھ سکتا ہے موثر اقدام یوں ہی ہو سکتے ہیں اسلام کا پیغام گھر گھر اسی طرح پہنچایا جا سکتا ہے ہمیں اسلام کو جذبات کی دنیا سے نکال کر روزمرہ کی زندگی میں لانا ہے ۔

اسی تنظیم کے پھیلنے سے آگے راہیں نکل سکتی ہیں ، مساجد کی تنظیم ہو سکتی ہے ، دیہات میں ہر قسم کی امداد باہمی کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں ۔ حکومتیں آئے دن سکیمیں چلاتی رہتی ہیں ۔ ان سکیموں سے بھی خاطر خواہ فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے ۔ جب ہمارے اندر تنظیم موجود ہو ، ورنہ عوام کا غلط اثرات میں آجانے کا اندیشہ ہے ۔

اس وقت حکومتِ پاکستان تعمیرو استحکام کی کئی اسکیمیں چلا رہی ہے اور آئندہ اور چلائے گی ۔

ہمارے کارکنوں کا فرض ہے کہ بلا مزد اور بے غرض ہر اصلاحی سکیم میں حکومت کے نیک افسروں کا ہاتھ بٹائیں ۔ اگر دیکھیں کہ کوئی افسر قائدِ اعظم رحمۃ اللہ کی یا تعمیر ملت کی طے شدہ اصولی باتوں سے ہٹ کر ، "خود غرضی" یا تخریب کے راستہ پر جا رہا ہے

تو پہلے اُسے نرمی سے اخلاق سے راہِ راست پر لائیں. اگر نتیجہ نہ نکلے تو اخلاقی قوت سے اور انجام کار رائے عامہ کی قوت سے ہر ایسے فتنے کا قلع قمع کر دیں تاکہ صحت مند ارتقاء جاری ہے۔ ایسی تنظیم سے ہی ہمارے اندر وہ ارادہ اور طاقت پیدا ہو گی. جس سے حکومت کے کارندے اور قومی لیڈر شخصی اور ذاتی مفاد کی بجائے حقیقی تعمیری کاموں میں ملت کا ساتھ دیں گے ۔ اور عوام کے حقوق محفوظ رہیں گے ۔

اس تمام کام کے لیئے ایک تو باقاعدہ نظام کی ضرورت ہے دوسرے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو نظام یا عہدوں سے بے نیاز ہو کر مندرجہ بالا پروگرام کو آگے چلائیں ۔ اُن کا عہدہ بڑے سے بڑا ہو یا چھوٹے سے چھوٹا ہو. اُن کو اپنے کام سے کام ہے وہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہوں گے ۔ اور ان کا کام ہی ان کا انعام ہو گا ۔

لائحہ عمل

اب ہماری زندگی کا نیا دور صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہو گا جب ہمارے عوام میں اپنی ذمہ داری کا احساس اپنے حالات کا شعور اور عمل کا تقاضا پیدا ہو گا ۔ اس بیداری اور حرکت کی ساعت آپہنچی ہے ۔اس کام کو آگے بڑھانے میں ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں اور باشعور عوام کا حصّہ ہے. ہمارے پیشِ نظر اسلام کو دُنیا میں ایک بین الاقوامی دستورِ انقلاب کی حیثیت میں غالب کرنا ہے ۔

اسلام کو دُنیا میں غالب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مادی تہذیب '' کے مہلک اثرات سے بنی نوع انسان کو نجات دلا کر روحانیت . نیکی اور طاقت

کی بنیادوں پر عالمگیر انقلاب لایا جائے۔

۲:۔ اس مقصد کے لئے ملت اسلامیہ کی تنظیم ضروری ہے ۔جہاں تک ملت کا تعلق ہے اس سے کوئی بحث نہیں کہ تم کس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہو، ملت سیاسی جماعتوں سے بلند ہے ۔تم کسی بھی سیاسی جماعت سے متعلق ہو کر تنظیم کا کام کر سکتے ہو۔ جو سیاسی جماعت بھی اپنے طور پر تنظیم یا کسی اور خدمت یا اصلاح اور تعمیر کا کام کر رہی ہے۔ تم اس میں شریک ہو سکتے ہو۔ بلکہ اگر تم ضرورت سمجھو تمام جماعتوں کی توجہ ان جماعتوں کی طرف دلاؤ۔ اور اُن کے لئے آسانیاں پیدا کرو۔

۳:۔ تحریک اصلاح کے نظام کی غرض و غایت یہ ہے کہ ملت میں تمام ایسے کارکن جو اسلامی بنیادوں پر ملت کی تنظیم کا کام کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ کسی سیاسی جماعت یا مذہبی فرقہ سے متعلق ہوں مل کر اس کام کو کر سکیں ۔

اس تنظیم سے ہمارا مقصد محض نمازیں پڑھوانا۔ کلمہ درست کروانا۔ مولویوں کو بُلا بُلا کر تقریریں کروانا۔ اسلامیات میں بحثیں کرنا۔ اور بال کی کھال اتارتے رہنا اور اپنے ہاتھ پاؤں مفلوج کر کے اپنے اندر پندارِ تقدس پیدا کرنا نہیں ہے۔ تنظیم سے ہمارا مقصد اپنی ملت کو موجودہ جدوجہد اور کشمکش کے لئے ہر اعتبار سے تیار کرنا ہے۔ تاکہ اسلام کی زندگی کا نیا دور شروع ہو سکے۔

۴۔ تمہاری بہت زیادہ کوشش ہونی چاہیے کہ تم حتی الامکان اپنے ہم خیال اور شریک کار رفیق پیدا کرو اور یہ دیکھو کہ جو کام تم جس جگہ شروع کر رہے ہو۔ وہ کام تمہاری غیر موجودگی میں بھی جاری رہے گا ——— اپنے کارکنوں سمیت ہر

اجتماعِ ملت میں شریک ہو۔ جہاں عوام تک یہ انقلابی پیغام پہنچ سکے۔ اپنا لٹریچر ہمیشہ ساتھ رکھو۔ بیگ وردی کے ساتھ یا بلا وردی تمہارے کندھے پر ہے۔ نمازِ جمعہ اور دوسرے اسلامی اجتماعات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اپنے محلہ یا شہر میں اکھاڑے یا ورزشی مرکز قائم کرو۔ جو اکھاڑے موجود ہوں اُن کی حالت بہتر کرو۔ ان اکھاڑوں کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ مفید اور منظم بنانے کی کوشش کرو۔ اکھاڑے میں ہر قسم کی جسمانی ورزش شامل ہو۔ اگر ممکن ہو تو اکھاڑے کو ہی تحریک فوجی رضاکار یا پاکستانی نیشنل گارڈز کا مرکز بنا دو۔ مردوں کی طرح عورتیں اپنے حسب حال ایسے مراکز قائم کریں۔

۵:۔ کسی وقت حسب حال محلہ گاؤں یا شہر کے جتنے آدمی جمع ہو سکیں اُن کو جمع کرو اور مقامی حالات۔ اخباری خبروں یا تاریخی واقعات کے متعلق اُن سے کار آمد اور نتیجہ خیز گفتگو کرو۔

اسی صحبت میں مفید تجویزیں طے ہو سکتی ہیں۔ جس قدر ممکن ہو دیہات میں دورے کر کے جماعتیں قائم کرو۔ نماز۔ فوجی تربیت کا نظام تبلیغی حلقہ یا پنچایت قائم کرو۔

ملت کے مختلف طبقوں سے مثلاً کاشتکاروں۔ دستکاروں اور مزدوروں سے ملو۔ ان کے حالات معلوم کرو۔ اور گہرے مشاہدہ کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچو ——— اپنے کام کی رپورٹ باضابطہ اپنے مرکز کو دیتے رہو۔ ——— لٹریچر کا خود بھی بغور مطالعہ کرتے رہو۔ اور اس کو عام کرو۔ ایجنسیاں قائم کرو۔ خریدار بناؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۶۔ اپنے اندر سرداری کی شان پیدا کرو۔ ہر شخص ملت ہی کے ذریعہ اپنی تربیت کر سکتا ہے۔ زندگی کا انقلاب یہ ہے کہ خود کو بدلو اور اپنی دُنیا کو بدلو۔

سرداری شہرت کو نہیں کہتے' سرداری عہدوں سے نہیں ہوتی۔ خدا کی مخلوق کو کچل کر کوئی شخص بڑا نہیں بن سکتا۔ خدا کی مخلوق کی خدمت کرنا ہی سرداری ہے

۱۷۔ اپنی آنکھوں پر پردہ ڈالنے، سمجھ کو معطل کرنے اور ضمیر کا گلا گھونٹنے کو نظام نہیں کہتے۔ نظام کی علّت غائی یہ ہے۔ کہ ہر شخص اپنی خداداد صلاحیتوں کی نشوونما کر سکے۔ اور اپنے ہر ذاتی مفاد اور شخصی آرام کو ملت کے اجتماعی مفاد کے لئے قربان کر دے۔

تحریک اصلاح ہر شخص کے لئے جو اپنی قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ ایک راستہ، ایک میدان اور راستہ کے کچھ ساتھی مہیا کر دیتی ہے۔ راستہ چلنا ہر شخص کا خود اپنا کام ہے۔ اس کا کسی منزل تک پہنچنا خدا کا انعام ہے

یہ انعام دنیا کی کوئی طاقت اس سے نہیں چھین سکتی''

اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم ۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔ ٥

نواں باب

جوانانِ ملّت

دالحی الی الحق

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضربِ کلیم پیدا کر — اقبال رح

(۱)

ہماری ملت کے پڑھے لکھے نوجوان اپنی قوم کے عام آدمیوں سے علیحدہ اپنی ایک ذات بنائے ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی نظر زیادہ تر حکومت کی ملازمتوں پر رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ انہوں نے سیاسی شورشوں میں حصہ لیا ہے۔ لیکن ایسے ہنگامے عوام سے نزدیک ہونے کا بہترین موقعہ نہیں ہوتے نہ ہی ان سے اپنی تربیت ہو سکتی ہے

اب یہ باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ ہماری قوم کے سامنے نئے مواقع ہیں۔ نئے تقاضے ہیں۔ اگر ہم نے نئے مواقع کا مناسب استعمال نہیں کیا۔ اور ان تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ تو ہم بہت بدبخت اور محروم ہوں گے۔ نئی پیدا شدہ صورت حالات ہمارا انعام نہیں ہے۔ بلکہ نیا امتحان ہے۔ اس دور میں ان دیواروں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ جو قوم کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے علیحدہ کئے ہوئے تھیں اور کئے ہوئے ہیں۔ ان مالدار آدمیوں کی جو اپنے مال کو دوسروں کی جان خریدنے کی قیمت سمجھتے ہیں۔ ان پڑھے لکھے آدمیوں کی جو اپنی جہالت کی وجہ سے باقی تمام دنیا کو جاہل سمجھتے ہیں؛ ان حکومت کے ملازموں کی جو انصاف کی بجائے جانبداری کو خدمت قوم سمجھتے ہیں۔ ان ضمیر فروشوں کی جو تجارت

کو جو آیا لوٹ یا ٹھگی سمجھتے ہیں۔ ان تمام قوم کے محسنوں کی قوم کو اب کوئی ضرورت نہیں اگر ان کے احسان اسی طرح جاری رہے۔ تو ہماری قوم ذمہ داری کا وہ بار نہیں اٹھا سکتی۔ جو زمانہ نے اس کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ وہ بیچاری تو ان قابل اور ذہین لوگوں کے "احسان" سے ہی دب کر رہ جائے گی

ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں کو اس "حمیت جاہلیت" کو ختم کر کے ملت میں پھیلنا ہے۔ اب حکومت کی ملازمتیں ہی مطمح نظر نہیں رہ سکتیں۔ وہ دن ختم ہوئے۔ کہ جب ان کی زندگی کا مقصد ہی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی کمشنر بننا تھا۔ اب قومی لیڈروں اور ایم ایلوں کے لئے بھی اتنا ہی کافی نہیں۔ کہ وہ اسلام کا واسطہ دے کر عوام سے ووٹ حاصل کر لیں۔ بلکہ اب اسلام کو عوام میں عملی طور پر رائج کر کے ان کو تمام معاشرتی اور معاشی مسائل حل کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اب بہت ٹھوس۔ گہرے اور تعمیری کام کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔

اس بدلتے ہوئے دور میں ہم ایک نئے موڑ پر کھڑے ہوئے ہیں نئے منظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔ نئی دقتیں قوموں کے آگے ہیں۔ اب نئی نگاہوں اور نئے حوصلوں کی ضرورت ہے۔

اب تک قوم کے ایک طبقے نے قوم کی سرداری کی ہے جو برائیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں۔ جب "لیڈرشپ" یا سرداری ایک طبقہ میں گھر کر رہ جائے۔ وہ ہی تمام برائیاں ہماری قوم میں موجود ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے۔ کہ ہمارے وہ بڑے لوگ (جو عام حالات میں عوام دغریبوں)

کا اپنی کوٹھیوں کے دروازوں میں کھڑا ہونا بھی گوارا نہیں کرتے۔ سرداری قائم رکھنے اور ووٹیں حاصل کرنے کے لئے موٹریں لئے مارے مارے پھرتے ہیں یہ ایک زندہ ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ یہ دور "جمہور کا دور ہے۔ عوام میں بلا ارادہ اس بیداری کی ایک عام لہر پیدا ہو چکی ہے "بیداری جمہور" تاریخ کا بڑا انقلاب آفرین واقعہ ہوتا ہے۔

اس پرانے نظام اور پرانی سماج میں اب گہرے شگاف پڑ چکے ہیں۔ اور "ہمت والوں" کے لئے زندگی کی نئی سوتیں پھوٹ نکلی ہیں۔

یاد رکھو! زندگی کا مقدس شعلہ کرسی پر بیٹھ کر سوچے ہوئے خیالات اور تجویزوں سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ محنت کی رگڑ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے — یہ "بیداری جمہور" کا دور ہے۔ جو لوگ عوام سے ڈرتے ہیں۔ یا ان سے نفرت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ محنت کے مارے یوں ہی رہے ہیں۔ اور ہمیشہ یوں ہی رہیں گے۔ وہ ایک فریب میں گرفتار ہیں۔

اگر عوام میں صحیح بیداری پیدا نہ ہوئی یا "سرمایہ دار طبقہ" نے "الفاظ اور نظریات کے" خوش نما جال میں "عوام" کو پھنسا لیا۔ جیسا کہ ایران وغیرہ اسلامی ممالک میں ہوا۔ تو پھر ہماری ملت کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ مستقبل کا راستہ صرف یہ ہے۔ آگے کی منزل تک لیجانے والی روشنی محض یہ ہے۔ قوم کی امید اور زندگی کی جھلک یہی ہے۔ کہ صدیوں کے سوئے ہوئے۔ عوام اپنے غموں اور دکھوں میں "نئے جوش" عوام بیدار ہوں۔ اور اپنے ماحول کا جائزہ لیں اور زندگی کی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔ یہ بیداری جمہور کا دور کس قدر نازک ہے

اس میں تخریب کی کس قدر صلاحیت ہے. کس قدر بے راہ روی ہے. کتنا فساد ہے. تم اس دور کی سطحی ہل چل دیکھ رہے ہو سطح کے نیچے جو طوفان چھپے ہوئے ہیں وہ اس ہل چل سے کہیں زیادہ اہم اور ہیبت ناک ہیں. لیکن اس طوفان سے ڈر کیا معنی رکھتا ہے؟ —— ہمیں تو اس طوفان ہی کو دکر اس کے رخ کو بدلنا ہے. یہی تو ہر اس شخص کا کام ہے. جو زندگی کا ساتھ دینا چاہتا ہے. ہو سکتا ہے. کہ اس نازک دور میں کچھ ایسے رجحانات پیدا ہو جائیں جو ہماری تاریخ اور تہذیب ہی کو بدل دیں ہو سکتا ہے. کہ یہ دور محض تخریب ہی تخریب سے بھر جائے. یہاں تک کہ لوگ تخریب سے گھبرا کر ہر شخص کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جائیں جو کسی قیمت پر ان کو امن دے سکتا ہے.

ہماری ملت کے سامنے خطرہ محض اندرونی خلفشار کا نہیں ہے بلکہ خارجی دباؤ کا بھی ہے —— بہت ممکن ہے. کہ ہم اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے اقوام عالم کے مقابلہ میں اپنا سر اٹھانے کے قابل نہ ہوں. اور ہمارے اوپر دوسری قوموں کے مفادات اور اثرات مسلط ہو جائیں چین کو دیکھو، ایران کو دیکھو. اب برما اور فلسطین کو دیکھو. یہ ملک بھی اسی زمین پر ہیں. اسی آسمان کے نیچے ہیں. اسی زمین اور اسی آسمان کے نیچے. کچھ اور قومیں بھی ہیں جو اپنے اپنے تحفظ کی خاطر دنیا کو اپنے زیر اثر لانا چاہتی ہیں. انگریز بھی ہے جو اب تک سمجھتا ہے. کہ اس کے سہارے کے بغیر ہندوستان یا پاکستان اپنے قدموں پر نہیں کھڑے ہو سکتے. اور اس کے خیال میں اس "سہارے" کی ضرورت کا احساس دلانے کی بہترین ترکیب یہی

تھی ۔ کہ وہ اس سہارے کو نیچے سے کھینچ لے ۔ امریکہ بھی ہے جس کا یقین ہے ۔
کہ اپنے ڈالروں سے وہ دنیا کو خرید سکتا ہے ۔ اور روس بھی جس کے پنجہ کی نرمی
اور سختی چیتے کے پنجے کی نرمی اور سختی ہے ——— اسی دنیا میں ہمیں بھی رہنا
ہے ۔

سچ ہے کہ یہ سب خطرے ہمارے سامنے ہیں ۔ لیکن ان کا تو مقابلہ
کرنا ہے ۔ ان خطروں کا مقابلہ کئے بغیر کام بھی تو نہیں بن سکتا ۔ اور اگر ان
خطروں کا مقابلہ نہ کیا گیا ۔ تو یہ خطرے ختم تو نہیں ہو جائیں گے ۔ یہ اپنے طور
پر پورے ہو کر رہیں گے ۔

اگر ہم نئی زندگی چاہتے ہیں ۔ اگر ہم چاہتے ہیں ۔ کہ ہماری قوم
اندرونی خلفشار سے بچی رہے اور بیرونی اثرات سے آزاد رہے ۔ تو اس کی
صورت بھی سوائے بیداری جمہور کے اور کچھ نہیں ——— آج اسلامی
ممالک کی تباہ حالی اکثر اس وجہ سے ہے کہ ان ممالک میں سرمایہ دار طبقہ
(اشراف) برسر اقتدار ہے ۔ عوام بدحال ہیں ——— ایک طرف اس "اعلیٰ"
طبقہ کے لوگ اہل مغرب سے بھی زیادہ مہذب ہیں دوسری طرف عوام کے بدن
پر جوئیں رینگتی ہیں ۔ ایسی صورت میں ملک اور قوم دوسری قوموں
کے تسلط اور اثر میں یقیناً آئے گا ۔ اس لئے کہ ملک میں با اقتدار وہی
گروہ ہے جو قوم کو تھوڑی قیمت پر بیچ سکتا ہے ۔ اس کا علاج محض
ایک ہے ———————————

بیداری جمہور !

بیداری جمہور !!

"بیداری جمہور" ہی زندگی کی دو دھاری تلوار ہے۔ نگاہوں کو خیرہ کرنیوالی مظالم کا خاتمہ کرنیوالی، اندھیرے میں ایک نیا راستہ پیدا کرنیوالی

اے میرے نوجوان دوستو! تمہارا کام یہ ہے۔ کہ تم اس بیداری جمہور کو پیدا کرو۔ تم عوام کو جا کر جگاؤ۔ اگر ان میں جوش ہے۔ اور وہ جوش غلط راستہ پر ہے، تو اس جوش "کو صحیح سانچوں میں ڈھالو۔ اگر ان میں بے حسی ہے تو ان میں زندگی کی چنگاری پیدا کرو۔ یہ تم اس وقت کر سکو گے جب خود تمہارے سینے میں زندگی کی آگ لگی ہوئی ہو۔ اور تم زندگی کے اشارے بھی سمجھتے ہو۔ تم میں سے اکثر متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ متوسط طبقہ ملک میں اہم طبقہ ہوتا ہے

اسلامی ممالک کی بدقسمتی یہ ہے۔ کہ وہاں متوسط طبقہ نہیں ہے، یا تو بہت اونچے لوگ ہیں۔ یا بہت نیچے ہیں۔ خدا کے فضل سے ہمارے ملک میں یہ بات نہیں ہے۔ تم میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنی غلط تربیت کی وجہ سے اس اونچے طبقہ کے جس کو اشراف کہا جاتا ہے۔ حاشیہ نشین بنیں گے۔ خدا ایسے بھائیوں اور بہنوں کی حالت پر رحم فرمائے۔ کیوں کہ انہوں نے ختم ہونے والا سہارا انتخاب کیا ہے ——— طبقے ختم ہونے والے ہیں۔ قوم قائم رہنے والی ہے۔ کچھ بھائی اور بہنیں وہ ہوں گے۔ اور خدا کرے ایسی تعداد بہت ہو جو اس زبردست واقعہ میں یعنی جمہور کی بیداری میں اپنا مناسب حصہ لیں گے۔ جو اپنی ملت سے ماضی کے سائے ہٹانے میں اور اس

میں نئی زندگی پیدا کرنے میں اپنا فرض پورا کریں گے۔

میرے مخاطب یہی بھائی بہنیں ہیں۔ اب یہ بات طے شدہ ہے۔ کہ جمہور میں بیداری پھیلے گی۔ ان کو اپنی طاقت کا احساس ہوگا۔ وہ صدیوں کی زنجیریں اپنی پاؤں سے پھینکیں گے۔ یہ بات بھی بالکل صاف اور واضح ہے۔ کہ محض اسی طرح ہمارا مستقبل تعمیر ہو سکتا ہے اگر یہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ تو پھر ہماری زندگی ایک بھنور کی صورت اختیار کرے گی۔ اور ہمارے سامنے کوئی راستہ آگے بڑھنے کا نہ ہوگا۔

میں پھر اس بات پر زور دیتا ہوں۔ کہ جب اس طرح کسی قوم کی زندگی گھر جائے جس طرح ایک تالاب کا پانی تو کسی بڑے سخت بہاؤ یا دھارے کی ضرورت ہوتی ہے جو زندگی کو آگے بڑھائے۔ وہ بہاؤ اور دھارا پیدا ہو رہا ہے۔ وہ ہے مسلمان عوام میں بیداری کے آثار پیدا ہونا ——— اس بیداری کو صحیح طور پر پھیلانا ہی ہمارے مستقبل کا ضامن ہے۔ اسی شعور اور حس سے اصلاح اور انقلاب پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے۔ کہ اگر اس موقعہ پر اس زبردست واقعہ کو صحیح طور پر نہ سمجھا گیا۔ اور مناسب عمل نہ کیا گیا۔ تو ہماری قوم میں اندرونی خلفشار کا پیدا ہونا۔ اور بیرونی اثرات کا اس پر مسلط ہونا ناگزیر ہے۔ پھر تو گویا ہم نے زمانہ کے تقاضے کو ہی نہ سمجھا۔ اس موقعہ کو ہی ہاتھ سے کھو دیا اور دنیا میں ہماری زندگی کا مقصد سوائے گھاس پھوس کی طرح اُگنے اور بڑھنے کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

پھر اس بات کو غور سے سمجھنا ہے. اگر اب ہم نے غفلت کی تو ہماری
سزا اس دار مکافات میں بہت سخت ہے.
اور ہمیں یہ بات نہیں بھولنی ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں؟ اس وقت دنیا
میں مختلف طاقتیں اور تہذیبیں ہیں. مغربی یورپ اور امریکہ کی تہذیب
اور طاقت ہے. روس کی تہذیب اور طاقت ہے — مشرق بعید میں
نئی زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں. ہندو اپنے تہذیب و تمدن میں نئی
روح پھونک رہے ہیں. ایک ہماری ملت اور ہماری تہذیب بھی ہے

"ملت اسلامیہ اور اسلامی تہذیب"

اور ہماری کوشش یہ ہے. بلکہ ہمارا مقصد حیات یہ ہے. کہ اس تہذیب
اور اس ملت میں ایک نئی زندگی پیدا ہو۔ اس کے پاس دنیا کے لئے ایک
پیغام ہو. اس لئے ضروری ہے. کہ ہم اسلام کی تفسیر اپنے عمل سے اپنے روزمرہ
زندگی کے مسائل کو حل کرنے سے کریں. کیوں کہ اسی طرح ہمارے اندر ایک
نئی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اسلامی تمدن کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا
ہے. ہماری سیاسی حالت بہت اہم ہے. لیکن وہ ایک خاکہ اور سانچہ
کی حیثیت رکھتی ہے جس میں نئی زندگی کی نشو و نما ہوتی ہے. — ہماری
سیاسی کشمکش بہت اہم ہے. لیکن وہ اسی زندگی کو پیدا کرنے کے لئے اور
اس کو مشتعل کرنے کے لئے ایک بہانہ ہے.
دیکھو! اگر کسی قوم کی اخلاقی حالت درست نہ ہو گی۔ تو سیاست اس

کو بچا نہیں سکتی —— ہم کو اپنی قوم کے اخلاق کو بدلنا ہے : تاکہ ہماری زندگیوں میں ایک انقلاب آجائے ۔

سیاسی تبدیلیاں سطحی تبدیلیاں ہیں ۔ ان سے قوم نہیں بدلا کرتی ۔ اب ان سطحی تبدیلیوں میں ایک گہرائی پیدا کرنی ہے ۔

ہمارے "ابتدائی کارکن" اسی کام کیلئے تیار ہو رہے ہیں ۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے ۔ کہ ہم قوم کے "نئے ولولہ" کے ضروری کام میں مصروف ہوں ۔

اللہ ہم سب کا ناصر و مددگار ہو !

دسواں باب

ہمارے ابتدائی کارکن

تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہل نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ　　　اقبال رح

(۱)

ڈاکٹر لیبان "تمدن عرب" میں لکھتے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کی کامیابی کے اسباب میں قوت مدرکہ کا حصہ بہت ہی کم ہوا کرتا ہے۔ اور قوت ارادی اور استحکام اور عزم و جہاد کا حصہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

آپ دو اشخاص یا قوموں کو فرض کر لیں۔ جن میں سے ایک میں ادراک تو معمولی ہے۔ مگر جرات، ہمت، عزم صمیم، حوصلہ مندی اور مقصد کے لئے جان دینے کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ اور دوسرے میں ادراک اعلٰے درجہ کا ہے۔ لیکن وہ اوصاف نہیں ہیں۔ جن کا اوپر بیان ہوا ہے۔ اگر دونوں میں مقابلہ آ پڑے۔ تو وہ اقوام یا اشخاص بڑھ جائیں گے جن میں ادراک کم ہے۔ اور جان بازی

زیادہ ہے ——————

ڈاکٹر لیبان کے مسلمہ اصول کے مطابق اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں۔ تو ہمیں ان کارکنوں کے پاس بھی نہیں پھٹکنا چاہئیے جو محض آرام طلب ہیں رنگین مزاج اور نفیس طبع ہیں۔ عیش پسند ہیں۔ باتیں کرنے اور قلم چلانے کے سوا سپاہیانہ اور مزدورانہ زندگی کے اوصاف سے بے بہرہ ہیں اس قسم کے کارکن کبھی کسی بڑے کام کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ وہ بنیادیں جن پر بڑے کام تعمیر ہوتے ہیں جرائت ہے۔ عزم ہے۔ حوصلہ مندی ہے۔ جان دینے کی طاقت ہے۔ فقر و فاقہ سے بے پرواہی ہے۔ ایثار ہے۔ اور قربانی ہے ——— ہمیں اسی قسم کے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ عرب ہندوستانی چینی اور دوسری مشرقی قومیں یورپین لوگوں سے کیوں پیچھے رہ گئیں؟۔

تمدن عرب کے فاضل مصنف اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ کہ مشرقی قومیں "اوسط لیاقت میں بالکل ہمارے برابر ہیں اور پرہیزگاری کم حوائجی اور وضعداری میں ہم سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ لیکن ان میں صرف ایک چیز کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ یورپین اقوام کے برابر نہیں ہو سکیں۔ وہ کمی یہ ہے۔ کہ اس میں کافی تعداد میں۔ موجد۔ صناع۔ سائنس دان۔ اور مشاہیر نہیں ہیں۔ یہ یورپ کی خوش نصیبی ہے۔ کہ مشرقی قوموں میں ایسے اشخاص موجود نہیں ہیں۔ اگر کسی وقت یورپ میں بھی متوسط قابلیت کے اشخاص کی جماعتیں قائم ہو گئیں اور اعلیٰ درجے کی لیاقتیں بتدریج نابود ہو گئیں۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کی حکومت مشرقی قوموں کے ہاتھ آ جائے گی"

ڈاکٹر گستاؤلی بان کی ان تشریحات کا مطلب یہ ہے کہ قومی اٹھان کے ضروری عناصر دو ہیں ـــــــ ایک یہ کہ قوم میں جرأت، جانبازی، استقلال، ہمت اور بہادری کے جذبات موجود ہوں، دوسرے یہ کہ قوم میں بہت اعلےٰ پایہ کے انفسی اور آفاقی، روحانی اور صنعتی راہ نما اور مشاہیر موجود ہوں جو قوم کی ذاتی خوبیوں اور ملک کی مادی طاقتوں سے کام لے سکیں، ان کی تنظیم کر سکیں اور ایسے اخلاقی، صنعتی، حربی، اور ایجادی وسائل و اسباب پیدا کر دیں کہ وہ قوم عملاً دوسری قوموں کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائے۔

اعلےٰ درجہ کی قابلیت سے ڈاکٹر لیبان کی مراد یہ نہیں کہ قوم میں مولوی فاضل بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی زیادہ تعداد میں ہوں۔ یہ لوگ تو دفتر بے معنیٰ ہیں۔ اور ع

اس دفتر بے معنی غرق دتاب اولےٰ

ایسے لوگ تو صرف غلاموں کی کھیپ ہیں۔ صرف دفتروں کی تھیلیاں ہیں۔ صرف آرام کرسیوں کا سنگار ہیں۔ ایسے لوگ نہ اپنی امداد کے قابل ہیں۔ نہ قوم کی امداد کے۔

ان سے صرف نقل نویسی کرائی جا سکتی ہے۔ اور وہ بھی آرام کرسی پر بیٹھ کر برقی پنکھے کے نیچے اگر ایسے چند آدمی بھی تحریک کے ابتدائی کارکنوں میں شامل ہو گئے۔ تو یہ تحریک پیدائش سے پہلے ہی مر جائے گی۔

مشرقی قوموں کی جس کمی کی طرف ڈاکٹر لیبان نے اشارہ کیا ہے۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ مشرق میں مصطفےٰ کمال، ہٹلر، سٹالین، جمال الدین

افغانی۔ ولی اللہ رح۔ اقبالؒ نیوٹن اور ایڈیشن جیسے مشاہیر کی کمی ہے۔ اس واسطے مشرقی قوموں کے نہ ذاتی قومی کی تنظیم ہوسکتی ہے۔ اور نہ مشرقی ممالک کی مادی قوتوں کی اور اس لئے وہ اہل یورپ سے بہت پیچھے ہیں،

"میں اس آخری باب کو اس لئے کتاب میں شامل کر رہا ہوں کہ اسوقت ہمارے ہاں روپیہ آ رہا ہے۔ اور بہت زیادہ روپیہ آنے والا ہے۔ مجھے یقین ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسی حالت میں روپے کے حریص لوگ ہم پر ہجوم کریں گے ان کی زبان اور قلم تو بہت تیز ہونگے مگر نیتیں دل اور دماغ بیحد خراب ہوں گے۔ اس لئے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے ابتدائی دور میں اپنی تحریک کو ان خودغرض، خوشامدی، ریاکار، آرام طلب، اور باتونی قسم کے لوگوں سے بچائیں،

یہ وہ پوشیدہ چٹان ہیں جن سے ٹکرا کر ہزاروں کشتیاں ڈوب گئیں اور آئندہ بھی ڈوبیں گی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"ایک ایسا زمانہ آئے گا جب میری اُمت کے کام تباہ ہوجائینگے صحابہ نے پوچھا۔ کیوں یارسول اللہ۔ ارشاد فرمایا کام نااہلوں کے سپرد ہوجائیں گے،

نااہل کا مطلب، غیر متقی، منافق

آرام طلب

طمع کے بندے

حریص

محنت و مشقت سے بھاگنے والے۔

قربانی سے بھاگنے والے۔

گھڑیوں کو دیکھ کر کام کرنے والے۔

دھوکہ باز۔

پالیسی باز

تنخواہوں اور گریڈوں کے لئے جینے والے۔

جھگڑالو۔

حجت باز۔

آئینی موشگافیاں کرنے والے

قوّتِ عمل سے محروم اور صرف تجویزوں، موشگافیوں اور عذراتِ باطل کے پابند ے۔

رفیقانِ عمل ــــ !

ایسے لوگوں

ایسے دوستوں،

اور ایسے رشتہ داروں سے ہمیشہ بچو!

"بُرے کار کن" کو اس کی باتوں سے نہیں اس کے خاموش عمل سے جانچو۔ اس کی قربانی اور فدائیت سے اس کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔

کامیابی کے اُس اصول کو ہرگز نہ بھولو!

اللہ ہم سب کے ساتھ ہے۔